

# نیل المرام فی حکم الیقین والشک والاوہام

المعروف

## شک و یقین قواعد فقہیہ کی روشنی میں



پیشکش

مجلس افتاء (دعوتِ اسلامی)

مؤلف

مُدَّ ظِلُّهُ الْعَالَمِينَ

حضرت مولانا محمد عرفان عطاری مدنی

اصول فقہ کی معروف و مشہور کتاب الاشباہ والنظائر کے تیسرے قاعدے ﴿الیقین لایزول بالشک﴾ کی آسان انداز میں تشریح و توضیح بنام

نیل المرام فی حکم الیقین و الشک و الاوہام  
المعروف

# شک و یقین قواعد فقہیہ کی روشنی میں



مؤلف

مُدَّة ظَلْمُهُ الْعَالِ

حضرت مولانا محمد عرفان عطاری مدنی

نظر ثانی

مُدَّة ظَلْمُهُ الْعَالِ

حضرت مولانا محمد نوید چشتی

پیشکش

مجلس افتاء (دعوتِ اسلامی)

## فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	پیش لفظ	10
2	الاشباہ والنظائر کا تیسرا قاعدہ: یقین شک سے ذائل نہیں ہوتا	15
3	یقین کی تعریف	15
4	ظن غالب کی تعریف	15
5	حکم	15
7	محض ظن کی تعریف	15
8	حکم	15
9	موہوم کی تعریف	15
10	شک کی تعریف	16
11	قاعدے کی اہمیت	17
12	قاعدے کا ثبوت	17
13	ضمنی قاعدہ نمبر: (1) قاعدہ: " الاصل بقاء ماکان علی ماکان " سابقہ حکم اپنی حالت پر باقی رہتا ہے۔	18
14	دفعینہ کا حکم	18
15	لا وارث بچہ ملا تو اس کا حکم	20
16	مفقود الخیر کے احکام	20
17	"جب تک اصل کے خلاف ثبوت نہ پایا جائے، اصل باقی رہے گی" اس قاعدے کے فوائد:	21
18	فائدہ نمبر (1) محض شکوک و شبہات سے یقین کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوگا۔	21
19	طہارت کا یقین اور حدث واقع ہونے میں شک	21
20	حدث واقع ہونے کا یقین اور طہارت میں شک	21

21	تیمم کیا اور حدث واقع ہونے، نہ ہونے میں شک ہے	21
22	با وضو شخص کو سونے یا نہ سونے یا ناقض وضو حالت میں سونے یا نہ سونے میں شک ہو	22
22	طہارت اور حدث کا یقین ہے مگر کون پہلے ہے اس میں شک ہے	23
23	تیمم کیا پھر پانی کے پاس سے گزرنے اور نہ گزرنے میں شک ہو	24
24	دوران وضو کسی عضو کے دھلنے میں شک ہو	25
25	امام کا وضو تام ہونے میں شک ہو	26
25	کنویں میں مردار نظر آیا اور پتا نہیں کہ کب گرا	27
27	دور کعتیں ادا کیں اور یہ شک ہو کہ دونوں یا ایک طلوع فجر سے پہلے ادا کی	28
27	نابالغ کورات میں احتلام ہو پھر طلوع فجر سے پہلے یا بعد میں آنکھ کھلی تو نماز عشاء کا کیا حکم ہے؟	29
28	نماز کے جواز و فساد میں تردد ہو تو کیا حکم ہے؟	30
28	سحری کا وقت ختم ہونے میں شک تھا اور اسی حالت میں کچھ کھاپی لیا یا سورج ڈوبنے میں شک تھا اور روزہ افطار کر لیا	31
30	جانور کے حلال ہونے کے لئے ذبح شرعی حقیقی یا حکمی چاہیے اور شک کی صورت میں جانور حرام ہوگا	32
31	مستثنیات	33
31	جہاں احتمال کے باوجود شکار حلال ہے	34
31	یا احتمال سرے سے ہے ہی نہیں تو بھی حلال ہے	35
35	جن اموال میں کمی بیشی سود ہے تو ان کی آپس میں اندازے سے بیع جائز نہیں	36
36	فائدہ نمبر (۲) بازاری افواہوں سے بھی یقین کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوگا۔	37
37	فائدہ نمبر (۳) کوئی شے محل احتیاط سے دور ہو تو اس سے سابقہ یقینی حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا	38
37	راستے کی کچھڑ کا حکم	39

37	کتوں کے اٹھنے، بیٹھنے پھرنے کی جگہ پاک ہے	40
37	جن حوضوں میں نجاست پڑنے کا اندیشہ ہو ان کا حکم	41
39	بدن، برتن، کپڑے پہ نجاست لگنے میں شک ہو	42
39	کنویں، حوض، راستوں میں سبیل پہ رکھے برتن پاک ہیں یونہی کفار کی دکانوں پہ بننے والی روٹی، مکھن بسکٹ، پاک ہیں	43
39	استعمالی جو تا کنویں سے نکلے تو کیا حکم ہے؟	44
40	فائدہ نمبر (۴) کسی قوم کی حلال و حرام اور طہارت و عدم طہارت میں بے پرواہی سے سابقہ یقینی حکم پہ اثر نہیں پڑے گا	45
40	کافروں اور شرابیوں کے پاجامے استعمال کرنے کا حکم	46
41	چھوٹا بچہ پانی میں ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو اس پانی کا حکم	47
42	کھلی مرغی کے جوٹھے کا حکم	48
42	گائے بکری اور ان جیسا جانور کنویں یا چھوٹے حوض میں گر گیا پھر زندہ نکل آیا	49
43	علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی توجیہ اور امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی روشن توجیہ	50
43	صاحب فتح القدیر کی توجیہ پر اشکال اور امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی توجیہ کی ترجیح	51
46	فائدہ نمبر (۵) کسی شے کی نوع کے افراد میں حرام یا ناپاک چیز کا ملنا اس کے تمام افراد سے ممانعت کب لازم کرے گا؟	52
46	دار الحرب سے پک کر آنے والی پوسٹین کا حکم	53
47	کسی شے کی نوع کے تمام افراد میں نجاست ہو تو کیا حکم ہوگا؟	54
48	فائدہ نمبر (۶) بازار میں حلال و حرام ہر طرح کی چیز ہو، اس بازار سے خریداری کا حکم	55
49	جس شخص کے پاس حلال و حرام دونوں طرح کا مال ہو اس سے ہدیہ لینا، دعوت کھانا اور خرید و فروخت کرنا کیسا؟	56
50	میزبان سے کھانے پینے کی اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق سوال کا حکم	57
51	مجهول المقام یقین کا شک سے زوال	58

51	چادر کا ایک کونہ یقیناً ناپاک ہے اور متعین حصہ یاد نہیں	59
52	کسی قلعے میں تمام کافر حربی ہوں، صرف ایک ذمی ہو لیکن معلوم نہ ہو کہ ذمی کون ہے تو ان کے قتل کا کیا حکم ہے؟	60
53	گندم کا ڈھیر یقینی طور پہ ناپاک تھا لیکن نجاست کس حصے میں ہے یہ یاد نہیں	61
53	(2) قاعدہ: "من شک هل فعل شیئام لا؟ فلم یفعل" (جسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو تو یہ قرار دیا جائے گا کہ اس نے وہ کام نہیں کیا)	62
53	طلاق دینے یا نہ دینے میں شک	63
53	طلاق کی تعداد میں شک	64
53	شوہر کے خیال میں زیادہ طلاقیں ہیں لیکن مجلس میں موجود لوگ کہتے ہیں کہ ایک دی ہے	65
53	حلف اٹھایا لیکن یہ نہیں معلوم کہ کس چیز پہ حلف اٹھایا؟	66
54	کوئی شخص نیند سے بیدار ہوا اس کے متعلق چھ صورتیں	67
59	حج کے کسی رکن میں شک ہوا	68
59	طواف کے چکروں میں شک ہوا	69
60	نماز کے دوران شک ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہی یا نہیں؟	70
61	تکبیر کہنے کے بعد شک ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہی یا تکبیر قنوت؟	71
62	نماز کا وقت باقی ہے اور شک ہو گیا کہ ادا کی یا نہیں؟	72
62	حج فرض کی ادائیگی میں شک	73
63	کس چیز کی منت مانی تھی اس کے متعلق شک	74
64	حلف اٹھانا یاد ہے لیکن کس چیز پر اٹھایا یہ یاد نہیں	75
64	حلف اٹھایا تھا کہ: "جس عورت سے بھی نکاح کروں، اسے طلاق ہے" لیکن یہ یاد نہیں کہ حلف اٹھاتے وقت بالغ تھا یا نابالغ؟	76
65	(3) قاعدہ: "الاصل: العدم" (اصل عدم یعنی نہ ہونا ہے)	77

65	چاند گہن کی نماز کی جماعت نہیں	78
65	عورت عشاء کے وقت میں حالت حیض میں سوئی اور عشاء کا وقت نکلنے کے بعد اٹھی اور اس وقت حیض ختم ہو چکا تھا تو نماز عشاء کا حکم	79
66	صفات عارضہ میں عدم اصل ہے اور صفات اصلہ میں وجود اصل ہے	80
67	کسی نے ایک چیز دیکھی اور اس وقت اس کی خریداری نہیں کی، بلکہ کچھ عرصہ بعد خریداری کی، اس کے احکام	81
68	غلام سے کہا: "اگر تو آج کے دن گھر میں داخل نہ ہو تو تو آزاد ہے" دن گزر گیا، مالک اور غلام کے درمیان گھر میں داخل ہونے میں اختلاف ہوا	82
69	طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا اور شرط کے پائے جانے میں شوہر اور بیوی کا اختلاف ہوا	83
70	اگر اصل شرط میں ہی اختلاف ہوا	84
70	شوہر نے عورت کو طلاق دی اور عدت میں فوت ہو گیا تو اس کے احکام	85
72	حق وراثت ثابت ہونے کے لیے شرط ہے کہ مورث کی وفات کے بعد وارث کی حیات ثابت ہو	86
73	رب المال اور مضارب کے درمیان مضارب کے نفع کی مقدار میں اختلاف ہوا	87
74	عورت نے اپنی چھاتی کسی بچے کے منہ میں ڈالی لیکن کنفرم نہیں کہ دودھ بچے کے منہ میں داخل ہوا یا نہیں؟	88
74	دودھ پلانے سے متعلق اہم نوٹ:	89
75	بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان خریدی ہوئی چیز کو دیکھنے میں اختلاف ہوا	90
75	اگر ثمن کی مدت مقرر کرنے میں اختلاف ہوا	91
76	دوسرے کو کوئی چیز دی، بعد میں دونوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا، دینے والا کہتا ہے کہ قرض ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ہبہ ہے	92
77	تصرف کے بعد مالک اور مضارب میں اختلاف ہو گیا	93
78	وکالت میں اصل اطلاق نہ ہونا ہے	94

79	کسی پر قبلہ مشتبه ہو گیا، اس کے احکام	95
79	خریدنے والے اور بیچنے والے کے درمیان بیع کے باطل اور صحیح ہونے میں اختلاف ہوا	96
80	اگر وہب (ہبہ کرنے والے) اور موہوب لہ (جسے ہبہ کیا گیا) کے درمیان عوض کے متعلق اختلاف ہوا	97
81	(4) قاعدہ: "الاصل: براءة الذمۃ" (اصل بری الذمہ ہونا ہے)	98
81	اگر کسی نے کہا کہ: "میرے گمان میں فلاں کے میرے ذمہ ہزار روپے ہیں" تو کیا حکم ہے؟	99
82	جس کے پاس امانت رکھی گئی، جب وہ کہے: "میں نے امانت واپس کر دی ہے۔" اس کا حکم	100
82	کسی کے لیے یوں اقرار کیا کہ: "فلاں کے میرے ذمہ ایک ہزار یا دو ہزار ہیں۔" تو کتنے پیسے لازم ہوں گے؟	101
83	ذمہ مشغول ہونے کے بعد اصل بری الذمہ نہ ہونا ہے	102
83	نماز کا وقت باقی ہے اور شک ہو گیا کہ ادا کی یا نہیں؟	103
83	زکوٰۃ کی ادائیگی میں شک ہوا	104
84	حج فرض کی ادائیگی میں شک ہوا	105
85	مدیون دعویٰ کرے کہ میں نے مالک دین کے وکیل کو دین سپرد کر دیا ہے، پھر مالک دین آئے اور وہ وکالت سے ہی انکار کر دے	106
85	لقطہ بغیر گواہ بنائے اٹھالایا اور مال ضائع ہو گیا، اختلاف ہو گیا، مالک کہتا ہے کہ: "تو نے اپنے استعمال میں لانے کے لیے اٹھایا تھا، اٹھانے والا کہتا ہے کہ: "میں نے اپنے لیے نہیں اٹھایا، اس کا حکم	107
86	جس کے پاس امانت رکھی گئی، وہ دعویٰ کرے کہ میں نے تمہاری امانت اجنبی کے ہاتھ	108



	تمہارے گھر بھیجی۔ مالک کہتا ہے کہ مجھے نہیں پہنچی	
87	اگر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے امانت اجنبی کے پاس بطور امانت رکھ دی تھی، پھر اس نے مجھے واپس کر دی اور میرے پاس ضائع ہو گئی	109
88	عاریت کے متعلق قاعدہ کلیہ	110
88	(5) قاعدہ: "الحادث یضاف الی اقرب اوقاته" (نو پیدا چیز کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے)	111
89	کسی نے اپنے کپڑے میں نجاست پائی اور معلوم نہیں کہ کب سے لگی ہے؟	112
91	سوتے وقت عورت پاک تھی اور صبح سو کر اٹھی تو حیض کا اثر دیکھا	113
91	کسی مسلمان کا انتقال ہوا، جس کی بیوی ذمیہ تھی، اس کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہوا	114
92	ایک شخص پہلے درست تھا، بعد میں قاضی نے اس پر حجر (ممانعت کو) لاقح کر دیا، ایک شخص اس سے خریداری کر چکا تھا، اب ان میں وقت خریداری میں اختلاف ہوا	115
93	ایک چیز کی خریداری میں دو آدمیوں کا اختلاف ہوا	116
94	عورت فوت ہوئی اور اس کا زید کے ذمہ قرض تھا، عورت کے بچوں کا دادا دعویٰ کرتا ہے کہ عورت نے اپنی صحت میں یہ اقرار کیا تھا کہ زید کے ذمہ جو قرض ہے وہ میرے پہلے شوہر کی اولاد کا ہے، دوسرا شوہر کہتا ہے کہ عورت نے یہ دعویٰ مرض الموت میں کیا تھا	117
94	اگر ایک دعویٰ کرے کہ میت نے حالت صحت میں یہ چیز بیچی تھی اور دوسرا دعویٰ کرے کہ حالت مرض میں بیچی تو اس کا حکم	118
95	اوپر ذکر کردہ قاعدے کی استثنائی صورت:	119
95	بعض اوقات حادث کو قریبی وقت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا	120
96	(6) قاعدہ: "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" (اصل اشیاء میں اباحت ہے)	121

96	تمباکو نوشی کا حکم	122
98	اس (یعنی اصل اشیاء میں اباحت ہے) قاعدے سے مستثنیٰ:	123
98	(۱) قاعدہ: "الاصل فی الابضاع الحرمة" (شرمگاہوں میں اصل حرمت ہے)	124
98	طلاق رجعی کے بعد معتدہ نے تیسرے حیض کے بعد غسل کیا (یعنی جبکہ تیسرا حیض دس دن سے کم کا تھا) اور کسی جگہ پانی پہنچنے نہ پہنچنے میں شک ہوا	125
99	فروج (شرمگاہوں) میں تحریمی جائز نہیں	126
100	دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا لیکن یہ نہیں پتا کہ ان میں سے کون سا عقد پہلے تھا	127
100	نابالغ یا نابالغہ کے دو ولی ایک ہی درجہ کے برابر حق رکھتے تھے اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ افراد سے نکاح کر دیا	128
101	(۲) قاعدہ: "الاصل فی الدماء: الحرمة" (خون بہانے میں اصل حرمت ہے۔)	129
101	کسی نے کسی ایسے شخص کے ساتھ مل کر دوسرے کو قتل کیا کہ جس شخص پر قتل کرنے سے قصاص لازم نہیں ہوتا، اس کا حکم	130
102	(۳) قاعدہ: "الاصل فی الذهب والفضة: الحرمة" (سونے چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے)	131
102	قمیص کے بٹنوں کے ساتھ لٹکائی جانے والی چاندی کی زنجیر کا استعمال کرنا کیسا؟	132
103	(۴) قاعدہ: مضار و خبائث (نقصان دہ اور خبیث چیزوں) میں اصل حرمت ہے۔	133
109	(7) قاعدہ: "استصحاب"	134
109	استصحاب کا لغوی معنی	135
109	استصحاب کی اقسام	136
110	قاعدہ استصحاب پر درج ذیل مسائل متفرع ہیں:	137

110	کسی ذمی کافر کا انتقال ہو گیا، اس کی بیوی کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہوا	138
110	پن چکی کرایہ پر دی ہے اور مالک اور مستاجر کا نہر میں پانی ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہوا	139
111	مفقود الخیر (جو لاپتہ ہو گیا) اور اس کی زندگی موت کے متعلق کوئی خبر نہ رہی، اس کے احکام	140
112	استصحاب کے حجت بننے کا موقع و محل	141
112	مفقود الخیر کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی اور اس کے مال میں وارثوں کا حق وراثت ثابت نہیں ہوگا، اس کی وجہ	142
115	مسلمان کی بیوی ذمیہ تھی، اس کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہوا	143
116	استصحاب کے خلاف قوی دلیل آجائے تو کیا کیا جائے گا؟	144
116	غائب شخص کی بیوی کو اگر کوئی ایک ثقہ شخص آکر بتائے کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے یا شوہر نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں	145
117	استصحاب کے موافق ایک قاعدہ	146
117	(7) قاعدہ: "الاصل فی الکلام: الحقیقۃ" (کلام میں اصل حقیقت ہے)	147
117	لفظ نکاح کا حقیقی معنی وطی وجماع ہے	148
118	زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت	149
118	لفظ اولاد اپنی صلبی اولاد کے لیے حقیقت ہے اور اولاد کی اولاد کے لیے مجاز	150
118	مختلف معاملات (بیع و شرا، اجارہ، صلح وغیرہ) نہ کرنے کی قسم کھائی	151
121	قسم کھائی کہ اس گندم سے نہیں کھاؤں گا، تو اس کی روٹی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔	152

## پیش لفظ

فقہی قاعدہ: ”یقین شک سے زائل نہیں ہوتا“

یہ ”الاشباہ والنظائر“ کا تیسرا قاعدہ ہے، اس کتاب میں اسے ”الاشباہ والنظائر“ کی طرز پر ہی لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فقہی احکام میں اس قاعدے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، مناکحت سے متعلق معاملہ ہو یا وراثت سے، محرمت ہوں یا مباحات، فقہ کے تمام ابواب میں جاری ہوتا ہے، یہاں تک کہ فقہائے کرام نے فرمایا: ”اس قاعدے سے حاصل ہونے والے مسائل فقہ کے تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصے کو گھیرے ہوئے ہیں۔“

چنانچہ غمزیون البصائر میں ہے: ”قیل هذه القاعدة تدخل في جميع ابواب الفقه والمسائل المخرجة عليها تبلغ ثلثة ارباع الفقه واكثر“ ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے تمام ابواب میں جاری ہوتا ہے اور اس پر متفرع (یعنی اس سے حاصل ہونے والے) مسائل فقہ کے تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ (غمزیون البصائر ج 01، ص 194، بیروت)

یہ ایک قاعدہ اپنے ضمن میں بہت سارے قواعد لیے ہوئے ہے۔ پھر ان قواعد میں بعض مستثنیات بھی ہیں۔ اس کتاب میں وہ قواعد اور ان کے مستثنیات ذکر کیے گئے ہیں۔ نیز ہر قاعدے اور استثناء کو فقہی جزئیات و مسائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

### قاعدے کی وضاحت:

اس قاعدے کا مطلب اس کے نام سے ہی ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ”جب کسی چیز کے متعلق یقین ہو تو محض شک سے اس کا خلاف ثابت نہیں ہوگا۔“ مثلاً با وضو ہونا یقینی ہے اور وضو ٹوٹنے میں شک ہے، تو محض شک سے وضو کا ٹوٹنا ثابت نہیں ہوگا۔ کسی چیز کا پاک ہونا یقینی ہے اور اس کے ناپاک ہونے کا شک ہے تو محض شک سے اس کا ناپاک ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ وعلی هذا القیاس۔

### قاعدے سے متعلق اہم بات:

جس طرح حدیث پاک سے ایک آسان سا قاعدہ حاصل ہوا کہ ”مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور منکر کے ذمہ قسم ہے۔“ لیکن کسی مقدمہ میں مدعی کون ہے اور منکر کون ہے؟ اس کی نشاندہی عموماً مشکل اور پیچیدہ ہو جاتی

ہے، بہت دفعہ ظاہری طور پر دیکھنے میں ایک شخص مدعی لگ رہا ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ منکر ہوتا ہے، اسی طرح ظاہری طور پر دیکھنے میں ایک شخص منکر لگ رہا ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ مدعی ہوتا ہے۔ چنانچہ بہار شریعت سے اس پر ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

”دعویٰ میں سب سے زیادہ اہم جو چیز ہے وہ مدعی و مدعی علیہ کا تعین ہے، اس میں غلطی کرنا فیصلہ کی غلطی کا سبب ہوتا ہے۔ عام لوگ تو اس کو مدعی جانتے ہیں جو پہلے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرتا ہے اور اس کے مقابل کو مدعی علیہ۔ مگر یہ سطحی و ظاہری بات ہے۔ بہت مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو صورت مدعی ہے وہ مدعی علیہ ہے اور جو مدعی علیہ ہے وہ مدعی۔۔۔۔۔ ظاہر میں مدعی اور حقیقت میں مدعی علیہ کی ایک مثال یہ ہے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس میری امانت ہے، ولادی جائے۔ امین یہ کہتا ہے کہ میں نے امانت واپس کر دی۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ اُس کی امانت مجھ کو تسلیم ہے مگر میں دے چکا ہوں یہ امین کا ایک دعویٰ ہے مگر حقیقت میں امین ضمان سے منکر ہے۔ کیونکہ امین جب امانت سے انکار کرے تو امین نہیں رہتا بلکہ اُس پر ضمان واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا پہلے شخص کے دعوے کا حاصل طلب ضمان ہے۔ اور اس کے جواب کا محصل وجوب ضمان سے انکار ہے۔ اب اس صورت میں حلف امین کے ذمہ ہو گا اور حلف سے کہہ دے گا تو بات اسی کی معتبر ہوگی۔“

(بہار شریعت، ج 02، حصہ 13، ص 1016، 1017، مکتبہ المدینہ)

اسی طرح کس چیز کو یقینی کہا جائے گا اور کس چیز کو مشکوک کہا جائے گا؟ بعض اوقات اس کا تعین بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ظاہری اعتبار سے دیکھنے میں محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام پر یہ حکم یقینی ہے اور یہ مشکوک ہے، لہذا پہلا حکم باقی رہے گا، جب تک اس کا خلاف، شرعی طریقے سے ثابت نہیں ہو جاتا، لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس کی مثال درج ذیل ہے:

”ایک شخص لاپتہ ہو جاتا ہے، اس کی زندگی یا موت کسی کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہوتی، اس کے لاپتہ ہو جانے کے بعد اس کے والد کا انتقال ہو جاتا ہے۔“

اب ظاہری اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان کہے گا کہ ”جب وہ لاپتہ ہو تو وہ زندہ تھا لہذا اس کی زندگی یقینی ہے، اب اس پر موت طاری ہوئی کہ نہیں؟ یہ مشکوک ہے، پس اس کو زندہ تسلیم کیا جائے گا اور والد کی وفات کے وقت جو بیٹا زندہ ہو، اسے وراثت میں سے حصہ ملتا ہے، لہذا اسے بھی حصہ ملے گا۔“ جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی اسے وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا، جب تک کہ والد کی وفات کے وقت اس کے زندہ ہونے کی یقینی

معلومات نہیں ہو جاتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ”جب وہ لاپتہ ہو تو اس وقت وہ باپ کا وارث نہیں تھا، کیونکہ باپ کی وراثت اس کے مرنے کے بعد ملتی ہے، تو اس کا وارث نہ ہونا یقینی ہوا اور وارث بننا مشکوک ہوا، اب اسے وارث بنانا ہے، تو اس کے لیے باپ کی وفات کے وقت اس کے زندہ ہونے کا یقینی ثبوت ہونا ضروری ہے، جبکہ یہاں یقینی ثبوت موجود نہیں کہ صورت مسئلہ وہ فرض کی گئی ہے کہ جس میں اس شخص کا اپنے باپ کی وفات کے وقت زندہ ہونا معلوم نہیں۔“

اور جس وقت وہ لاپتہ ہوا تھا، اس وقت کی حالت سے استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایسے استدلال کو فقہ کی اصطلاح میں ”استصحاب حال“ کہتے ہیں اور ”استصحاب حال“ کسی چیز کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بنتا، لہذا وراثت میں اس کا حق ثابت کرنے کے لیے یہ استدلال مفید نہیں ہوگا۔“

اسی طرح اسی لاپتہ شخص سے متعلق ایک دوسرا حکم دیکھیے کہ ”اس کے مال کا دوسروں کو وارث نہیں بنایا جائے گا جب تک کہ اس کی وفات شرعی طریقے سے ثابت نہیں ہوتی۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”جس وقت یہ لاپتہ ہو تو اس وقت یہ زندہ تھا اور زندہ کا مال وراثت نہیں بنتا، لہذا اس کا مال بھی وراثت نہیں بنے گا۔“

اس مقام پر اس کے لاپتہ ہونے کے وقت کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے، کیونکہ یہ صورت استصحاب حال کی ہے، جیسا کہ اوپر گزر اور استصحاب حال کسی کے حق کی نفی کرنے کے لیے دلیل بنتا ہے، ہاں کسی کا حق ثابت کرنے کی دلیل نہیں بنتا، لہذا اس لاپتہ شخص کے ورثاء کے حق کی نفی کے لیے اس کے لاپتہ ہونے کی حالت کو دلیل بنالیں گے، لیکن اس کے والد کی وراثت میں سے اسے حصہ دینے کے لیے دلیل نہیں بنائیں گے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے، کہاں کس چیز کو دلیل بنا کر حکم ثابت کرنا ہے اور کہاں اسے دلیل نہیں بنانا؟ کون سی بات یا حکم یقینی ہے اور کون سی بات یا حکم مشکوک ہے؟ ہم محض اپنی اٹکل سے یہ معاملہ حل نہیں کر سکتے۔

اس کے لیے یقین و شک، مظنون و موهوم کی تعریفات بھی معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے اس سے متعلق خاص اصول و قواعد کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ فقہائے کرام نے ان قواعد و اصول کا استعمال کرنے کے حوالے سے کیا شرائط بیان فرمائیں اور اس کے لیے کیا طریقہ اپنایا؟ یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔

اس لیے اس کتاب میں یقین، ظن غالب، محض ظن، وہم اور شک کی تعریفات اور ان کے احکامات بھی

بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس موضوع سے متعلق خصوصی اصول و قواعد بھی بیان کیے گئے ہیں اور ان اصولوں کے استعمال کے لیے کیا شرائط و قیودات ہیں؟ نیز ان کے مستثنیات کیا ہیں؟ ان کے حوالے سے بھی کافی معلومات اس میں درج ہیں، اور ان چیزوں کو فقہی مسائل کے ذریعے سمجھانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ مثلاً:

(الف): اصل یہ ہے کہ جو حکم ایک مرتبہ ثابت ہو چکا تو جب تک اس کے خلاف کاشبوت شرعی طریقے سے نہیں ہو جاتا، وہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہے گا۔

(ب): جسے کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں شک ہو تو یہی قرار دیا جائے گا کہ اس نے وہ کام نہیں کیا۔  
(ج): جس چیز کا وجود شرعاً ثابت نہیں ہوا، اس میں اصل معدوم یعنی اس کا نہ ہونا ہے، لہذا جب تک شرعی طریقے سے اس کا وجود ثابت نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کے معدوم ہونے کا حکم باقی رہے گا۔

(د): اصل بری الذمہ ہونا ہے یعنی اصل یہ ہے کہ کسی پر دوسرے کی کوئی چیز لازم نہ ہو، لہذا لازم آنے کے لیے دلیل شرعی درکار ہوگی، شکوک و شبہات سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

ہاں اگر ایک مرتبہ ذمہ کا مشغول ہونا ثابت ہو گیا تو اب مشغول ہونا اصل ہو گا اور بری ہونا عارض یعنی بعد میں ثابت ہونے والا ہوگا، لہذا جو بری الذمہ نہ ہونے کا قول کرے گا، اس کی بات معتبر ہوگی۔

(ه): خلاف اصل جو چیز پائی جائے، اسے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا، کیونکہ اس سے پہلے وقت میں اس کا پایا جانا مشکوک ہے۔

(و): اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

(نوٹ: اس قاعدے کے مستثنیات:

i. شرمگاہوں میں اصل حرمت ہے۔

ii. خون بہانے میں اصل حرمت ہے۔

iii. سونے چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔

iv. مضار و خبائث (نقصان دہ اور خبیث چیزوں) میں اصل حرمت ہے۔

(ز) استصحاب یعنی زمانہ ماضی کا حکم، زمانہ حال کے لیے ثابت کرنا، یا زمانہ حال کا حکم، زمانہ ماضی کے لیے

ثابت کرنا۔

(ح) کلام میں اصل حقیقت ہے۔ یعنی کسی لفظ کو جس معنی کے لیے بنایا گیا ہے، جب تک اس معنی پر عمل ممکن ہو، اس وقت تک اس لفظ سے وہی معنی مراد لیا جائے گا۔

آپ اس کتاب کا اول تا آخر مطالعہ فرمائیں، جہاں سمجھنے میں دشواری ہو تو کسی معتمد سنی صحیح العقیدہ عالم دین سے اسے سمجھیے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ڈھیروں معلومات کا خزانہ آپ کے ہاتھ آئے گا۔

### نوٹ:

یہ بات ضرور یاد رہے کہ یہ اصول و قواعد، تعریفات و احکام اور مسائل وغیرہ پڑھنے سے ان شاء اللہ عزوجل معلومات کا بہت بڑا خزانہ آپ کے ہاتھ آئے گا، لیکن اس کا مطلب یہ ہر گزہر گز نہیں کہ اب اس باب میں آپ کامل و مکمل ہو گئے اور اس سے متعلق ہر مسئلے کو آپ خود حل کرنے کے قابل ہو گئے، ہر گز ایسا نہیں، ہنوز دلی دور است، لہذا کوئی مسئلہ خود یا کسی اور کو درپیش ہو تو اس کے حل کے لیے معتمد مفتیان اہلسنت سے ہی رابطہ کیا جائے۔

### ضروری گزارش:

اس کتاب میں کسی کو کسی حوالے سے کوئی غلطی معلوم ہو، وہ مطلع فرمائیں، بعد تحقیق غلطی ثابت ہونے پر ان شاء اللہ عزوجل اس کی اصلاح کی جائے گی۔

محمد عرفان مدنی

دارالافتاء اہلسنت، داتا دربار، لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الاشباہ والنظائر کا تیسرا قاعدہ: یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

یقین کی تعریف:

کسی حکم کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کے متعلق دل کا پختہ علم، یقین کہلاتا ہے۔

ظن غالب:

کسی حکم کے پائے جانے یا نہ پائے جانے، دونوں میں سے ایک جانب کا راجح ہونا اور جانبِ راجح پر دل کو اس حد تک وثوق و اعتماد ہونا کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات (یعنی توجہ کے بالکل قابل نہ) سمجھے گویا اس کا عدم وجود (ہونا، نہ ہونا) برابر ہو۔

حکم:

ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق، یقین (یعنی یقین کے درجے میں) ہوتا ہے کہ ہر جگہ، یقین کا کام دے گا اور اپنے خلاف سابق یقین کو ختم کر دے گا اور غالباً اصطلاح علماء میں غالب ظن و اکبر رائے اسی پر بولتے ہیں۔

محض ظن:

اگر جانبِ راجح پر دل پوری طرح نہ جمے اور جانبِ مرجوح کو بالکل نظر سے ساقط نہ کرے، بلکہ ادھر بھی ذہن جائے، اگرچہ بہت تھوڑا اور کمزور طور پر، تو اس صورت کو محض ظن کہا جاتا ہے۔

حکم:

یہ صورت یقین کا کام نہیں دیتی اور اپنے خلاف سابق یقین کا مقابلہ نہیں کرتی، بلکہ شک و تردد کے مرتبہ میں ہی سمجھی جاتی ہے۔ کلمات فقہاء میں کبھی اس پر بھی ظن غالب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، لیکن یہ ہے محض ظن ہی، نہ کہ ظن غالب۔

ہاں اس قسم کا اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل مستحب و افضل ہوتا ہے، لیکن واجب و لازم نہیں ہوتا۔

موہوم:

ظن کی دوسری قسم (محض ظن) کی جانب مقابل، جو مرجوح ہے، وہ موہوم کہلاتی ہے۔ یعنی کسی حکم کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کے متعلق کوئی یقینی علم نہ ہو اور ایک جانب راجح ہو لیکن وہ ظن غالب کی حد تک

نہ ہو بلکہ محض ظن کی حد تک راجح ہو، تو اس کی جانب مرجوح، موہوم کہلاتی ہے۔

### شک:

کسی حکم کے پائے جانے یا نہ پائے جانے، دونوں کے متعلق برابر کا علم کہ ان میں سے کوئی جانب اس کے نزدیک راجح نہ ہو۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "الشک تساوی الطرفین، والظن الطرف الراجح وهو ترجیح جهة الصواب، والوهم رجحان جهة الخطأ وأما أكبر الرأي وغالب الظن فهو الطرف الراجح إذا أخذ به القلب، وهو المعتمد عند الفقهاء كما ذكره اللامشي في أصوله وحاصله: أن الظن عند الفقهاء من قبيل الشك؛ لأنهم يريدون به التردد بين وجود الشيء وعدمه سواء استويا، أو ترجح أحدهما، وكذا قالوا في كتاب الإقرار: لو قال: له علي ألف درهم في ظني لا يلزمه شيء؛ لأنه للشك (انتهى). وغالب الظن عندهم ملحق باليقين، وهو الذي يبتني عليه الأحكام" ترجمہ: شک دونوں طرفوں کا برابر ہونا ہے اور ظن (گمان) راجح جانب ہے اور وہ درستی کی جہت کو ترجیح دینا ہے اور خطا کی جہت کا راجح ہونا وہم ہے۔ بہر حال بڑی رائے اور غالب گمان تو وہ راجح جانب ہے جبکہ دل اس پر جم جائے اور فقہاء کے نزدیک یہی معتبر ہے جیسا کہ علامہ لامشی نے اس کو اپنے اصول میں ذکر کیا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ: فقہاء کے نزدیک ظن، شک کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ وہ ظن سے مراد لیتے ہیں: شے کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے درمیان تردد، خواہ اس کی دونوں طرف برابر ہوں یا ایک طرف راجح ہو۔ ایسا ہی انہوں نے "کتاب الإقرار" میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی یوں کہے: "میرے گمان میں فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں،" تو اس اقرار سے کوئی شے لازم نہیں ہوگی، کیونکہ گمان، شک کے لیے ہے۔ (کتاب الإقرار کا کلام ختم ہوا)۔ اور غالب گمان فقہاء کے نزدیک یقین کے ساتھ لاحق ہے اور اسی پر احکام کی بنیاد ہوتی ہے۔

(الاشباہ والنظائر، ص 76، مطبوعہ کراچی)

الحدیقة الندیة میں ہے: "الظن عند الفقهاء من قبيل الشك لانهم يريدون به التردد بين وجود الشيء وعدمه سواء استويا وترجح احدهما، ولذا قالوا في كتاب الإقرار: لو قال له علي ألف في ظني لم يلزمه شيء، لانه للشك" ترجمہ: فقہاء کے نزدیک "ظن (گمان)" شک کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ گمان سے مراد لیتے ہیں: شے کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے درمیان تردد، برابر ہے کہ اس

کے جانبین برابر ہوں یا ایک جانب رائج ہو۔ اسی وجہ سے انھوں نے "کتاب الاقرار" میں فرمایا ہے کہ: اگر کوئی یوں کہے: "میرے گمان میں فلاں کے مجھ پر ایک ہزار ہیں" تو اس اقرار سے کوئی شے لازم نہیں ہوگی۔ کیونکہ گمان، شک کے لیے ہوتا ہے۔

(الحدیقہ الندیۃ، الصنف الثانی: فیماورد عن ائمتنا الحنفیۃ، ج 05، ص 402، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ان کی تعریفات یوں کی گئی ہیں: "اقول اذا لم تجزم فی حکم بايجاب ولا سلب فان استويا عندک فهو الشک والافالمرجوح موهوم والراجح مظنون فان بلغ الرجحان بحیث طرح القلب الجانب الآخر فهو غالب الظن واکبر الرأی" ترجمہ: میں کہتا ہوں: جب نہ اثبات کا حکم لگانے میں تمہیں جزم (یقین) ہو اور نہ نفی کا حکم لگانے میں، تو اگر تمہارے نزدیک وہ دونوں برابر ہوں، تو یہ شک ہے، ورنہ جو مرجوح یعنی مغلوب ہے وہ موهوم اور جو رائج یعنی غالب ہے، وہ مظنون ہوگا اور اگر ترجیح اس حد کو پہنچ جائے کہ دل دوسری جانب کو چھوڑ دے تو وہ غالب گمان اور بڑی رائے ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج 04، ص 498، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

### قاعدے کی اہمیت:

کہا جاتا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے تمام ابواب میں جاری ہوتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے مسائل فقہ کے تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ چنانچہ غمزعیون البصائر میں ہے: "قیل هذه القاعدة تدخل فی جميع ابواب الفقه والمسائل المخرجة علیہا تبلغ ثلثة ارباع الفقه واکثر" ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے تمام ابواب میں جاری ہوتا ہے اور اس پر متفرع (یعنی اس سے حاصل ہونے والے) مسائل فقہ کے تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ (غمزعیون البصائر ج 01، ص 194، بیروت)

### قاعدے کا ثبوت:

اس قاعدے کے ثبوت میں درج ذیل حدیث مبارک ہے:

مسلم شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "«إذا وجد أحدکم فی بطنہ شیئا، فأشکل علیہ أخرج منه شیء أم لا، فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتا، أو یجد ریحاً»" ترجمہ: جب تم میں کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے، جس سے اس پر مشتبہ ہو جائے کہ اس سے کچھ خارج ہوا یا نہیں؟ تو وہ ہر گز مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على أن من نيقن الطهارة، ثم شك في الحدث، ج 01، ص 158، کراچی)  
یہاں محض شک و تردد کی بنیاد پر اپنے آپ کو بے وضو سمجھ کر مسجد سے نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ شک سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ نمازی کو اپنے با وضو ہونے کا یقین تھا، بعد میں وضو کے ٹوٹنے میں شک آگیا اور یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا، تو اس کے متعلق یہی حکم ہوگا کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹتا لہذا وہ وضو کرنے کے لیے نماز نہ توڑے۔

### نوٹ:

یہ قاعدہ درج ذیل چند قواعد پر مشتمل ہے:

### (1) قاعدہ

"الاصل بقاء ما كان على ما كان"

جو حکم یقینی طور پر ایک مرتبہ ثابت ہو چکا، تو وہ ثابت ہی رہے گا، جب تک اس کے خلاف کا یقین یا ظن غالب نہ ہو جائے۔

بلفظ دیگر: اصل یہ ہے کہ سابقہ حکم اپنی حالت پر باقی رہتا ہے، جب تک اس کا خلاف شرعی طور پر ثابت نہ

ہو۔

درج ذیل مسائل اسی قاعدے سے حاصل ہوتے ہیں:

(الف)

(۱) اگر وہ فیہ میں کوئی اسلامی علامت ہو جیسے اس پر کلمہ شہادت لکھا ہے، تو وہ زمانہ اسلام کا قرار دیا جائے

گا اور لقطہ شمار ہوگا۔

(۲) اور اگر اس پر کفر کی علامت ہو مثلاً بت کی تصویر ہے یا ان کے کسی معروف بادشاہ کا نام لکھا ہے،

تو اسے زمانہ کفر کا قرار دیا جائے گا اور اس میں سے پانچواں حصہ لے کر باقی پانے والے کو دے دیا جائے گا، خواہ اپنی

زمین میں پائے یا دوسرے کی زمین میں یا مباح زمین میں۔

(۳) اور اگر اس کا معاملہ مشتبہ ہو جائے کہ نہ اسلامی علامت ہے اور نہ کفر ہی کی، تو اس صورت میں اسے

زمانہ کفر کا قرار دیا جائے گا کیونکہ زمانہ جاہلیت، زمانہ اسلام سے متقدم ہے تو اس کا زمانہ کفر کا ہونا، اصل ہے

اور جب تک اصل کے خلاف دلیل نہ ہو تو اصل باقی رہتی ہے۔

در مختار میں ہے: "(وما علیہ سمة الإسلام من الكنوز) نقداً أو غیرہ (فلقطة) سیجیء حکمہا (وما علیہ سمة الکفر خمس و باقیہ للمالک۔۔۔ وهذا) (إن ملکت أرضه وإلا فللواجد) (وإن خلا عنها) أي العلامة (أو اشتبه الضرب فهو جاهلي علی) ظاهر (المذهب)" ترجمہ: اور جس دینے پر کوئی اسلامی علامت ہو، خواہ وہ دینے نقدی ہو یا کچھ اور، تو وہ لقطہ ہے۔ عنقریب اس کا حکم آئے گا۔ اور جس دینے پر کفر کی علامت ہو، اس میں سے پانچواں حصہ لیا جائے گا اور باقی مالک کا ہوگا۔ یہ بھی اس صورت میں ہے، جب زمین کسی کی ملکیت میں ہو، ورنہ وہ پانے والے کا ہے۔ البتہ اگر دینے، اسلام یا کفر کی علامت سے خالی ہو یا اس کی قسم مشتبہ ہو جائے تو ظاہر مذہب میں وہ زمانہ جاہلیت کا شمار ہوگا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "(قوله: وهذا إن ملکت أرضه) الإشارة إلى قوله و باقیہ للمالک، وهذا قولهما وظاهر الهدایة و غیرها ترجیحه لکن فی السراج وقال أبو یوسف: والباقي للواجد كما فی أرض غیر مملوكة وعلیه الفتوی. اھ۔" ترجمہ: مصنف کا قول کہ: "یہ اس وقت ہے جب زمین ملکیت میں ہو" یہ اشارہ ہے ان کے اس قول کی طرف کہ: باقی مالک کا ہے۔ اور یہ ان دونوں (طرفین) کا قول ہے اور ہدایہ وغیرہ کے ظاہر سے اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن سراج میں ہے: اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور باقی پانے والے کا ہے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب زمین ملک میں نہ ہو اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب الرکان، ج 03، ص 307، 308، کوئٹہ)

تبیین الحقائق میں ہے: "(وإن اشتبه الضرب علیہم فهو جاهلي فی ظاهر المذهب لأنه الأصل" ترجمہ: اور اگر اس دینے کا معاملہ مشتبہ ہو تو ظاہر مذہب میں زمانہ جاہلیت کا ہی شمار ہوگا کیونکہ وہی اصل ہے۔

اس کے تحت حاشیہ شلبی میں ہے: "(قوله لأنه الأصل) أي لأنه أي الجاهلي أصل لتقدمه علی الشرع" ترجمہ: مصنف کا قول کہ وہی اصل ہے: یعنی زمانہ جاہلیت، اسلام سے مقدم (پہلے) ہونے کی وجہ سے اصل ہے۔ (تبیین الحقائق مع حاشیہ الشلبی، باب الرکان، جلد 01، صفحہ 290، ملتان)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ولو اشتبه الضرب بأن لم یکن فیہ شیء من العلامات یجعل جاهلیا

فی ظاہر المذہب کذا فی الکافی. "ترجمہ: اور اگر دینے کی حالت مشتبہ ہو، یوں کہ اس میں اسلام و کفر کی علامات میں سے کوئی شے نہ ہو، تو اس کو ظاہر مذہب میں زمانہ جاہلیت کا قرار دیا جائے گا جیسا کہ کافی میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الزکاة، الباب الخامس فی المعادن والركان، جلد 01، صفحہ 185، کوئٹہ)

(ب) لا وارث بچہ گرا پڑا ملا تو وہ آزاد شمار ہوگا، کیونکہ بنی نوع انسان میں آزادی اصل ہے اور اصل کے خلاف جب تک دلیل نہ ہو تو اصل اپنی حالت پر باقی رہتی ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے: " (وهو حر) لأنه الأصل في بني آدم إذ هم أولاد حواء و آدم والأصل بقاء ما كان على ما كان حتى يوجد ما يغيره "ترجمہ: اور وہ (گرا پڑا) بچہ آزاد ہے کیونکہ بنی آدم میں آزاد ہونا اصل ہے کیونکہ وہ حضرت آدم اور حضرت حواء علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہے اور اصل یہ ہے کہ جو پہلے جس حالت پر تھا، وہ اسی حالت پر باقی ہو، جب تک کہ اسے بدلنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔

(تبیین الحقائق مع حاشیة النشلی، کتاب اللقیط، جلد 03، صفحہ 297، ملتان)

(ج) مفقود الخیر، جو لاپتہ ہو گیا اور اس کی زندگی، موت کے متعلق کوئی خبر نہ رہی، تو اسے اس کے حقوق کے متعلق زندہ ہی شمار کیا جائے گا، کیونکہ جب وہ غائب ہو تو اس وقت اس کا زندہ ہونا ثابت تھا، تو وہی حکم باقی رہے گا، جب تک کہ اس کے واقعہ مرنے پر دلیل نہ قائم ہو جائے یا شرعی اعتبار سے اس کی موت کا حکم نہ کر دیا جائے۔ لہذا اس وقت تک:

(۱) اس کے ورثاء اس کے مال کو آپس میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

(۲) اس نے کسی کے پاس امانت رکھی تھی تو اس امین سے امانت کو کوئی واپس نہیں لے سکتا۔

(۳) اور اس کی بیوی کسی اور سے اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔

شرح المجلد میں ہے: "من فروع النوع الاول مسألة المفقود الذي انقطع خبره ولم يعلم موته ولا حياته وذلك لانه حين تغيبه كانت حياته محققة فمالم يوجد دليل على موته حقيقة اويحكم بموته بعد اكمال تسعين من عمره او لموت اقرانه ليس لورثته اقتسام ماله ولا توخذ وديعته من مودعه ولا تتزوج امراته "ترجمہ: پہلی نوع کی فروع میں سے مفقود (لاپتہ) کا مسئلہ بھی ہے یعنی وہ کہ جس کی کوئی خبر نہ ہو، یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ جب وہ



(۲) یا ناقض وضو حالت پر سونے نہ سونے میں شک ہو یا (۳) اس نے اپنی ایک سرین کو اٹھے ہوئے پایا لیکن اس میں شک ہو کہ حالت نیند میں یہ صورت پیدا ہوئی یا جاگنے کی حالت میں، تو ان تمام صورتوں میں وضو ٹوٹنے میں شک ہے، لہذا اس کے وضو کے باقی رہنے کا حکم لگایا جائے گا کہ اصل یہ ہے کہ سابقہ حکم اپنی حالت پر باقی رہے۔

(۵) اگر کسی کو طہارت کا بھی یقین ہو اور حدث کے پائے جانے کا بھی یقین ہو، لیکن ان میں سے پہلے کون پایا گیا؟ اس میں شک ہو تو اسے کہا جائے گا کہ ان دونوں حالتوں سے پہلے کون سی حالت تھی اس کے متعلق غور و فکر کرو۔

(۱) اگر وہ ان سے پہلے حدث کی حالت میں تھا تو اب اس کی طہارت کا حکم کیا جائے گا کیونکہ اس حدث کے بعد طہارت کا یقین ہے اور اس طہارت کے ٹوٹنے میں شک ہے کیونکہ دوسرا حدث طہارت سے پہلے تھا یا بعد اس کے متعلق اسے کوئی علم نہیں، اور شک سے یقین ختم نہیں ہوتا لہذا طہارت باقی رہنے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲) اور اگر پہلے وہ باطہارت تھا تو اگر تجدید وضو کرتے رہنا اس کی عادت تھی تو اس وقت اس کے محدث یعنی بے وضو ہونے کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ اس طہارت کے بعد اس کا حدث یقینی ہے اور حدث کے زائل ہونے میں شک ہے وہ اس طرح کہ وہ نہیں جانتا کہ دوسری طہارت اس حدث سے موخر ہے یا نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے دو طہارتیں پے در پے کر لی ہوں۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: ”من تیقن الطہارۃ وشک فی الحدث فہو متطہر، ومن تیقن الحدث وشک فی الطہارۃ فہو محدث“ ترجمہ: جسے طہارت کا یقین ہو اور حدث (طہارت ختم ہونے) میں شک ہو، تو وہ طہارت والا ہے اور جسے حدث (طہارت نہ ہونے) کا یقین ہو اور طہارت میں شک ہو، تو وہ حدث (بغیر طہارت) والا ہے۔

اس کے تحت غزیمون البصائر میں ہے: ”قولہ: (من تیقن الطہارۃ وشک فی الحدث،) یعنی الحقیقی، أو الحکمی فی شمل ما لو شک هل نام، أو هل نام متکنا، أو لا؟، أو زالت إحدى ألبتہ، أو شک هل کان قبل یقظۃ، أو بعدھا۔ قولہ: (ولو تیقن الطہارۃ، والحدث وشک فی السابق إلخ.) فی فتح القدر للعلامة محمد السمدیسی ما نصہ: من تیقن الطہارۃ، والحدث



وشک في السابق فيؤمر بالتذکر فيما قبلهما، فإن كان محدثاً فهو الآن مستطهر؛ لأنه يتيقن الطهارة بعد ذلك الحدث وشك في انتقاضها؛ لأنه لا يدري هل الحدث الثاني قبلها، أو بعدها، وإن كان مستطهراً فإن كان يعتاد التجديد فهو الآن محدث؛ لأنه متيقن حدثاً بعد تلك الطهارة وشك في زواله؛ لأنه لا يدري هل الطهارة الثانية متأخرة عنه أم لا بأن يكون والى بين الطهارتين "ترجمہ: مصنف کا قول: "جس کو طہارت کا یقین ہو اور حدث (طہارت ختم ہونے) میں شک ہو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ حدث حقیقی ہو یا حکمی، پس یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب اس کو شک ہو کہ وہ سویا کہ نہیں؟ یا وہ سویا ہے تو ٹیک لگا کر سویا یا بغیر ٹیک لگائے؟ یا اس کی ایک سرین اٹھی ہوئی تھی یا نہیں؟ یا اس بات میں شک ہو کہ سرین جاگنے سے پہلے اٹھی تھی یا بعد میں۔ اور مصنف کا قول: "اور اگر طہارت اور حدث کا یقین ہو اور پہلے کیا تھا اس میں شک ہو (آخر تک)۔" علامہ محمد اسمدیسوی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدر میں ہے کہ: "جس کو طہارت اور حدث کا یقین ہو اور پہلے کیا تھا اس میں شک ہو، تو ان میں سے پہلے کیا تھا اس بارے میں اسے غور و فکر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پس اگر وہ پہلے محدث (بغیر طہارت کے) ہو تو اب وہ پاک ہے کیونکہ حدث کے بعد طہارت کا یقین ہے اور طہارت ٹوٹنے کا شک ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ دوسرا حدث اس طہارت سے پہلے تھا یا بعد میں تھا، اور اگر غور و فکر کے بعد ظاہر ہو کہ پہلے وہ پاک تھا پس اگر بار بار وضو اس کی عادت تھی تو اب وہ محدث (بغیر طہارت کے) ہے کیونکہ اس طہارت کے بعد حدث ہونا یقینی ہے اور اس کے ختم ہونے میں شک ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ دوسری طہارت اس حدث کے بعد ہے یا نہیں؟ کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے دو طہارتیں پے در پے کر لی ہوں۔ (غمزعیون البصائر ج 01، ص 109-108، بیروت)

(و) کسی شخص نے تیمم کر کے نماز پڑھی، دوسری نماز کا وقت آیا اور وہ اسی تیمم سے دوسری نماز ادا کرنے لگا تو اسے شک ہوا کہ پتا نہیں میں پانی کے پاس سے گزرا ہوں یا نہیں، تو ایسا شخص اسی تیمم سے دوسری نماز پڑھ سکتا ہے جب تک کہ اسے پانی کے پاس سے گزرنے یا کسی اور طریقے سے تیمم کے ٹوٹنے کا یقین نہیں ہو جاتا۔ کتاب الاصل میں ہے: "قلت أرأيت رجلاً تیمم و صلی ثم حضرت صلاة أخرى فأراد أن یصلي بذلك التیمم فشک فلم یدر أمر علی الماء أم لا قال یصلي بتیممه ذلك حتی یستیقن أنه قد مر علی الماء أو یستیقن بالحدث" ترجمہ: میں نے کہا: آپ کی کیا رائے ہے اس شخص کے بارے میں، جس نے تیمم کر کے نماز پڑھی، پھر دوسری نماز کا وقت آگیا، پس اس نے ارادہ کیا کہ وہ اسی تیمم سے نماز پڑھ

لے، پس اس کو شک ہو کہ وہ پانی کے پاس سے گزرا ہے یا نہیں؟ تو فرمایا: وہ اسی تیمم کے ساتھ نماز پڑھے گا جب تک کہ اسے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ وہ پانی کے پاس سے گزرا ہے یا حدث واقع ہوا ہے۔

(کتاب الاصل، باب التیمم بالصعیق، ج 01، ص 121، کراچی)

(ز) دوران وضو کسی عضو کے دھلنے میں شک واقع ہوا۔ اگر تو یہ زندگی کا پہلا واقعہ ہے تو اس عضو کو دھولے، کیونکہ جب اس پر حدث یقینی ہے تو شک سے ختم نہیں ہوگا کہ اصل یہی ہے کہ سابقہ حکم باقی رہتا ہے۔ اور اگر اس طرح کا شک بار پدید ہوتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرے کہ یہ وسوسہ ہے اور وسوسے کا علاج اس کی طرف توجہ نہ دینا ہے۔

ردالمحتار میں خلاصہ کے حوالے سے ہے: "شک فی بعض وضوئہ وهو اول شک غسل ما شک فیہ، وإن وقع له کثیر الم یلتفت إلیہ؛ وهذا إذا شک فی خلال وضوئہ، فلو بعد الفراغ منه لم یلتفت إلیہ اھ" ترجمہ: اگر دوران وضو شک ہو اور یہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہے تو جس عضو کے متعلق شک ہوا ہے، اس کو دھولے اور اگر اسے اکثر شک ہوتا رہتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرے۔"

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، ج 02، ص 679-680، کوئٹہ)

بدائع الصنائع میں ہے: "ولو شک فی بعض وضوئہ، وهو اول ما شک غسل الموضع الذی شک فیہ، لأنه علی یقین من الحدث فی ذلک الموضع، وفي شک من غسلہ۔۔۔ وإن کان یعرض له ذلک کثیرا لم یلتفت إلیہ، لأن ذلک وسوسۃ، والسبیل فی الوسوسۃ قطعها" ترجمہ: اور اگر دوران وضو کسی عضو کے دھونے میں شک واقع ہوا، اور یہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہے تو جس عضو کے دھونے میں شک ہوا ہے اسے دھولے کیونکہ اس عضو میں حدث ہونے کا یقین ہے اور اس کے دھونے کا شک ہے۔ اور اگر اکثر شک پڑتا ہے تو اس کی طرف التفات نہ کرے کیونکہ وہ وسوسہ ہے۔ اور وسوسے سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 140، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "اگر در میان وضو میں کسی عضو کے دھونے میں شک واقع ہو اور یہ زندگی کا پہلا واقعہ ہے تو اس کو دھولے اور اگر اکثر شک پڑا کرتا ہے تو اس کی طرف التفات نہ کرے۔ یوہیں اگر بعد وضو کے شک ہو تو اس کا کچھ خیال نہ کرے۔"

(بہار شریعت، ج 01، حصہ 02، ص 310، مکتبۃ المدینہ)

(ح) اپنے امام کے وضو کے تام (مکمل) ہونے کے بارے میں شک ہو تو تب بھی مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی جب تک کہ یہ یقین نہیں ہو جاتا کہ امام نے کوئی عضو بغیر دھوئے چھوڑ دیا ہے۔

محیط برہانی میں ہے: "وفي «فتاویٰ اهل سمرقند»: أن من شك في إتمام وضوء إمامه جازت صلاته ما لم يستيقن أنه ترك بعض أعضائه سهواً أو عمداً؛ لأن الظاهر أنه لم يترك" ترجمہ: اور "فتاویٰ اہل سمرقند" میں ہے: جس کو اپنے امام کے وضو کے مکمل ہونے میں شک ہو اس کی نماز جائز ہے جب تک کہ اسے امام کے بعض اعضاء کو بھول کر یا جان بوجھ کر بغیر دھوئے چھوڑ دینے کا یقین نہ ہو جائے۔ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس نے وضو میں کوئی عضو نہیں چھوڑا۔

(المحیط البرہانی، الفصل الثامن عشر فی مسائل الشک الخ، ج 02، ص 84، کوئٹہ)

(ط) کنویں میں کوئی مردار نظر آیا اور پتا نہیں کہ کب گرا تو صاحبین علیہا الرحمۃ کے نزدیک جب تک گرنے کا کوئی یقینی وقت ثابت نہیں ہوتا، تب تک جس وقت نظر آیا اس وقت سے ناپاک قرار پائے گا، کیونکہ اس سے پہلے والے وقت میں اس کا گرنا مشکوک اور پانی کی طہارت یقینی ہے اور یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا۔ آسانی کے پیش نظر علمائے کرام نے اسی پر فتویٰ ہونا بیان فرمایا ہے، البتہ بہتر اور احتیاط اسے قرار دیا ہے کہ قول امام اعظم علیہ الرحمۃ پر عمل کرے یعنی اگر جانور نہ پھولا اور نہ پھٹا تو ایسے کنویں سے وضو یا غسل کرنے کی صورت میں ایک دن رات کی نمازوں کا اعادہ کرے اور اگر پھول یا پھٹ گیا تو تین دن رات کی نمازوں کا اعادہ کرے۔

ہدایہ میں ہے: "قال (وإن وجدوا في البئر فأرة أو غيرها ولا يدري متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ أعادوا صلاة يوم وليلة إذا كانوا توضؤوا منها وغسلوا كل شيء أصابه ماؤها، وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليتها، وهذا عند أبي حنيفة - رحمه الله - . وقال: ليس عليهم إعادة شيء حتى يتحققوا متى وقعت) لأن اليقين لا يزول بالشك، وصار كمن رأى في ثوبه نجاسة ولا يدري متى أصابته" ترجمہ: فرمایا: اور اگر انھوں نے کنویں میں چوہا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا جانور مردہ پایا اور یہ معلوم نہیں کہ کب سے پڑا ہے اور ابھی پھولا، پھٹا بھی نہیں ہے، تو ایک دن اور رات کی نمازوں کا اعادہ کریں جبکہ انہوں نے اس پانی سے وضو کیا ہو۔ اور ہر اس چیز کو پاک کریں جس کو وہ پانی لگا ہو۔ اور اگر پھول یا پھٹ چکا تھا تو تین دن اور رات کی نمازوں کا اعادہ کریں اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ صاحبین علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں: ان پر کسی شے کا اعادہ لازم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ جانور کب گرا، کیونکہ یقین شک سے ختم نہیں ہوتا اور یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی اپنے کپڑوں میں نجاست دیکھے اور یہ نہ جانتا ہو کہ نجاست کپڑوں پر کب لگی۔

(الهدایۃ، فصل فی البہج ج 01، ص 42، لاہور)

مبسوط سرخسی میں ہے: "وکان أبو یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - یقول أولاً بقول أبي حنيفة -

رحمہ اللہ تعالیٰ - حتی رأی طائراً فی منقارہ فأرة میتة، وألقاها فی بئر فرجع إلی هذا القول" ترجمہ: اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہی کہتے تھے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول تھا، حتی کہ انھوں نے ایک پرندے کو دیکھا جس کی چونچ میں ایک مردار چوہا تھا اور اس نے وہ کنویں میں پھینک دیا پس انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ (مبسوط سرخسی، باب الوضوء والغسل، ج 01، ص 174، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "وقال: من وقت العلم فلا یلزمہم شئی قبلہ، قیل وبہ یفتی" ترجمہ: اور

صاحبین نے فرمایا: جس وقت جانور کے کنویں میں ہونے کا علم ہو، اس وقت سے پانی کی نجاست کا حکم کیا جائے گا، پس اس سے پہلے کے متعلق ان پر کچھ لازم نہیں ہوگا، کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "قولہ: (قیل وبہ یفتی) قائلہ صاحب الجوہرۃ۔ وقال العلامة

قاسم فی "تصحیح القدوری": قال فی "فتاویٰ العتابی": قولہما هو المختار۔۔۔ وصرح فی "البدائع" بان قولہما قیاس وقولہ استحسان وهو الاحوط فی العبادات "ترجمہ: اسی پر فتویٰ ہونے کا قول کرنے والے الجوہرۃ کے مصنف ہیں اور علامہ قاسم نے تصحیح القدوری میں فرمایا: فتاویٰ عتابی میں بیان کیا: صاحبین کا قول ہی مختار ہے۔ اور بدائع میں تصریح کی گئی ہے کہ صاحبین کا قول قیاس ہے اور امام صاحب کا قول استحسان ہے اور عبادات کے معاملے میں اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، فصل فی البہج ج 01، ص 420، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں کنویں میں پھولا ہوا جانور ملنے سے متعلق کیے گئے سوال کے جواب میں فرمایا: "جتنا پانی

اس میں موجود ہے اتنے ڈول نکال دیں پاک ہو جائے گا، تین دن رات کی نماز کا اعادہ بہتر ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج 03، ص 295، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں ہے: "کوئیں سے مرا ہوا جانور نکالتا تو اگر اس کے گرنے مرنے کا وقت معلوم ہے تو اسی

وقت سے پانی نجس ہے۔۔۔ اور اگر وقت معلوم نہیں تو جس وقت دیکھا گیا اس وقت سے نجس قرار پائے گا۔ اگرچہ پھولا پھٹا ہو اس سے قبل پانی نجس نہیں اور پہلے جو وضو یا غسل کیا یا کپڑے دھوئے کچھ حرج نہیں تیسیراً اسی پر عمل ہے۔" (بہار شریعت، ج 01، حصہ 02، ص 339-340، مکتبۃ المدینہ)

(ی) دور رکعتیں ادا کیں، شک واقع ہوا کہ یہ دونوں یا ایک طلوع فجر سے پہلے واقع ہوئی، یا بعد، اس سے فجر کی سنتیں، ادا نہیں ہوں گی کہ فجر طلوع نہ کرنا اصل تھا اور اب طلوع کرنے میں شک ہے، تو عدم طلوع (طلوع نہ ہونا) اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

محیط برہانی میں ہے: "إذا وقع الشک فی طلوع الفجر فی الرکعتین أو وقع الشک فی إحدى الرکعتین أنها وقعت قبل طلوع الفجر لم یجزئہ ذلک عن رکعتی الفجر" ترجمہ: جب دو رکعتوں میں طلوع فجر ہونے کا شک واقع ہو یا دو میں سے ایک رکعت میں شک واقع ہو کہ وہ طلوع فجر سے پہلے ہوئی ہے، تو یہ دور رکعتیں سنت فجر سے کفایت نہیں کریں گی۔ (المحیط البرہانی، ج 01، ص 513، کوئٹہ)

(ک) بچہ جب تک نابالغ ہے، اس پر نماز فرض نہیں ہے، کسی بچے کو رات کو احتلام ہوا، اگر وہ طلوع فجر سے پہلے بیدار ہوا تو اس پر عشاء کی نماز فرض ہے کیونکہ اس کو جب عشاء کے وقت میں احتلام ہوا تو وہ عشاء کے وقت میں بالغ ہو گیا لہذا اس پر عشاء کی نماز فرض ہے اور اگر وہ طلوع فجر کے بعد بیدار ہوا تو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ اس پر گزشتہ رات کی عشاء فرض نہیں ہوگی، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ احتلام طلوع فجر کے بعد ہوا ہو لہذا شک کی وجہ سے عشاء کے وقت میں اسے بالغ قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ اصل پر مدار رکھتے ہوئے اسے نابالغ ہی قرار دیا جائے گا اور بعض نے احتیاط کے پیش نظر نماز فرض ہونے کا قول کیا ہے، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ نابالغ عشاء کی نماز ادا کرے، اگر پہلے پڑھ چکا تھا تو اب اعادہ کرے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "ولو احتلم الصبی لیلًا ثم تنبه قبل طلوع الفجر - قضی صلاة العشاء بلا خلاف؛ لأنه حکم ببلوغه بالاحتلام. وقد انتبه والوقت قائم فیلزمه أن یؤدیها، وإن لم ینتبه حتی طلع الفجر اختلف المشایخ فیہ: قال بعضهم: لیس علیہ قضاء صلاة العشاء؛۔۔۔ لأنه یحتمل أنه احتلم بعد طلوع الفجر ویحتمل قبلہ، فلا تلزمه الصلاة بالشک، وقال بعضهم: علیہ صلاة العشاء۔۔۔ لأنه إذا احتلم أنه احتلم قبل طلوع الفجر واحتلم بعده فالقول

بالوجوب أحوط" ترجمہ: اور اگر نابالغ بچے کو رات میں احتلام ہوا، پھر وہ طلوع فجر سے پہلے ہی جاگ گیا، تو بالاتفاق نماز عشاء ادا کرے گا کیونکہ احتلام کی وجہ سے اس پر بالغ ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ اور وہ اس حالت میں بیدار ہوا ہے کہ نماز کا وقت ابھی باقی ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ نماز عشاء ادا کرے اور اگر وہ طلوع فجر تک نہ جاگا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے فرمایا: اس پر عشاء کی نماز قضا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اسے طلوع فجر کے بعد احتلام ہوا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے ہوا ہو، پس شک کی وجہ سے اس پر نماز لازم نہیں ہوگی۔ اور ان میں سے بعض مشائخ نے فرمایا: اس پر عشاء کی نماز لازم ہے کیونکہ جب طلوع فجر سے پہلے یا بعد میں احتلام ہونے کا احتمال ہے تو وجوب کا قول احوط (زیادہ احتیاط والا) ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاة، ج 01، ص 395، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "نابالغ عشا کی نماز پڑھ کر سویا تھا اس کو احتلام ہوا اور بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ فجر طلوع ہونے کے بعد آنکھ کھلی تو عشاء کا اعادہ کرے اور اگر طلوع فجر سے پیشتر آنکھ کھلی تو اس پر عشاء کی نماز بالاجماع فرض ہے۔"

(بہار شریعت، ج 01، حصہ 03، ص 444، مکتبۃ المدینہ)

(ل) نماز کے جواز و فساد میں تردد ہو کہ جواز کی دلیل بھی موجود ہے اور فساد کی بھی، اگرچہ جواز کی دلیلیں زیادہ تعداد میں ہوں تو ایسی صورت میں فساد کا قول ہی کیا جائے گا کہ ذمہ پر باقی ہونا اصل تھا تو جب تک ادائیگی کا یقین نہ ہو، اصل حکم باقی رہے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے: "الصلاة إذا ترددت بين الجواز والفساد فالحكم بالفساد أولى وإن كان للجواز وجوه وللفساد وجه واحد لأن الوجوب كان ثابتاً بيقين فلا يسقط بالشك ولأن الاحتياط فيما قلنا؛ لأن إعادة ما ليس عليه أولى من ترك ما عليه." ترجمہ: جب نماز کے جواز اور فساد میں تردد ہو تو فساد کا حکم اولیٰ ہے اگرچہ جواز کی کئی دلیلیں موجود ہوں اور فساد کی ایک ہی دلیل ہو کیونکہ وجوب یقین کے ساتھ ثابت تھا تو وہ شک کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا اور احتیاط بھی اسی میں ہے جو ہم نے کہا، کیونکہ اپنے اوپر لازم چیز کو چھوڑ دینے کی نسبت، جو لازم نہیں اس کو دوبارہ ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، ج 01، ص 568، کوئٹہ)

(م) سحری کا وقت ختم ہونے میں شک تھا اور اسی حالت میں کھانا کھالیا اور بعد میں کچھ ظاہر نہ ہوا کہ وقت

ختم ہو چکا تھا یا نہیں تو روزہ ہو گیا کیونکہ رات کا موجود ہونا اصل ہے، تو وہ اصل باقی رہے گی، جب تک اس کے خلاف کا یقین نہیں ہو جاتا۔

(ان) اسی طرح سورج ڈوبنے میں شک تھا اور روزہ افطار کر لیا بعد میں کچھ ظاہر نہ ہوا تو اس پر قضاء لازم ہوگی کہ دن کا باقی ہونا اصل تھا۔

در مختار میں روزہ ٹوٹنے کی صورتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا: "(تسحر أو أفطر يظن اليوم) أي الوقت الذي أكل فيه (ليلاً و) الحال أن (الفجر طالع و الشمس لم تغرب) --- ولو لم يتبين الحال لم يقض في ظاهر الرواية --- (قضى) في الصور كلها (فقط)" ترجمہ: کسی نے سحری کی یا روزہ افطار کر لیا دن کو رات گمان کرتے ہوئے یعنی جس وقت کھایا اس کو رات گمان کیا، حالانکہ (پہلی صورت میں) فجر طلوع ہو چکی تھی، اور (دوسری صورت میں) سورج غروب نہیں ہوا تھا، تو ان سب صورتوں میں صرف قضا کرے گا۔ اور اگر حال ظاہر نہ ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ اس روزے کی قضا نہیں کرے گا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله: ولو لم يتبين الحال) أي فيما لو ظن بقاء الليل أو شك فتسحر --- (قوله: لم يقض) أي في مسألة الظن أو الشك في بقاء الليل؛ لأن الأصل بقاءه فلا يخرج بالشك بحر. وأما مسألة الظن أو الشك في الغروب مع التبين أو عدمه فسنذكرها" ترجمہ: مصنف کا قول: "اور اگر حال ظاہر نہ ہو" یعنی اس صورت میں کہ اگر اسے رات کے باقی ہونے کا گمان ہو یا شک ہو تو اس نے سحری کر لی۔ مصنف کا قول: "قضا نہیں کرے گا" یعنی رات کے باقی ہونے کے گمان یا شک والے مسئلے میں، کیونکہ اصل رات کا باقی ہونا ہے، پس وہ شک سے خارج نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ بحر میں ہے۔ اور رہا غروب کے گمان یا شک والا مسئلہ، جبکہ بعد میں کچھ ظاہر ہو یا نہیں ظاہر ہوا، تو اس کو عنقریب ہم بیان کریں گے۔

(الدر المختار مع رد المحتار كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، جلد 3، صفحہ 437، 436، 439، کوئٹہ)

غروب کی صورتیں بیان کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا: "وان شك فيه فإن لم يتبين شيء فعليه القضاء" ترجمہ: اور اگر روزہ افطار کرتے وقت غروب میں شک ہوا، پس اگر بعد میں کچھ ظاہر نہ ہو تو اس پر اس روزے کی قضا لازم ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم الخ، جلد 3، صفحہ 437، 436، مطبوعہ کوئٹہ)

(س) جانور جب تک زندہ ہے حرام ہے، اسی وجہ سے زندہ جانور کے گوشت کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہوگا۔

اس کے حلال ہونے کے لیے ذبح شرعی، حقیقی یا حکمی، چاہیے، پس جہاں ذبح شرعی کے پائے جانے میں شک ہوگا تو وہاں اصل پر مدار رکھتے ہوئے جانور کو حرام ہی قرار دیا جائے گا۔ لہذا:

(الف) اگر کسی ایسی جگہ بکری ذبح شدہ ملی کہ جہاں مسلمان اور مجوسی دونوں رہتے ہیں تو جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ یہ مسلمان کی ذبح شدہ بکری ہے تو اس وقت تک وہ حلال نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے ذبح شرعی میں شک آگیا ہے۔

(ب) ہو میں موجود کسی شکار پر تیر مارا اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر گرایا چھت یا چٹان یا دیوار یا درخت پر گرا پھر وہاں سے لڑھک کر زمین پر گر اور مردہ پایا گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تیر سے نہ مرا ہو بلکہ زمین پر گرنے سے مرا ہو تو ذبح شرعی میں شک آگیا۔

(ج) اسی طرح اگر شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر کھا کر پانی میں گر گیا اور مردہ پایا گیا تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ پانی میں ڈوبنے سے مرا ہو تو ذبح شرعی میں شک آگیا، جبکہ اس کا حرام ہونا یقینی تھا تو شک سے حلال نہیں ہوگا۔

(د) اسی طرح تیر شکار پر چلایا، تیر دیوار کو یا چٹان کو لگا پھر وہاں سے شکار کو لگا اور شکار کو اس نے ذبح کر دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا کیونکہ احتمال ہے کہ یہ تیر دیوار یا چٹان کی قوت سے شکار کو لگا ہو اور دیوار یا چٹان ذبح شرعی کے اہل نہیں، تو اس احتمال کی وجہ سے ذبح شرعی میں شک آگیا، اور شک سے جانور حلال نہیں ہوتا۔

(ه) اگر شکار (یعنی جس جانور کو شکار کیا جا رہا ہے، اس) پر کتا چھوڑا یا سے تیر مارا، کتا اور شکار نظروں سے اوجھل ہو گئے، اسی طرح شکار تیر جسم پر لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا اور شکار کرنے والا اس کی تلاش میں نہ لگا رہا، پھر بعد میں شکار مردہ پایا گیا، تو اس کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کتے اور تیر کے علاوہ کسی اور چیز نے مارا ہو، تو اب ذبح شرعی کے پائے جانے میں شک آگیا اور اس کی وجہ سے حلال ہونے میں شک آگیا اور شک سے جانور حلال نہیں ہوتا۔



## مستثنیات:

۱: جہاں احتمال کے باوجود شکار حلال ہے:

اگر ایسا احتمال ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں شکار حلال ہے۔ مثلاً:

(الف) شکار کو تیر مارا اور وہ سیدھا زمین پر گرا

(ب) یا وہاں اینٹیں بچھی ہوئی تھیں، ان پر گرا اور مردہ پایا گیا تو حلال ہے اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ

تیر سے نہ مرا ہو بلکہ زمین پر گرنے سے مرا ہو، حلال اس وجہ سے ہے کہ اس احتمال سے بچنا ممکن نہیں۔

(ج) اسی طرح اگر زمین کے علاوہ کسی اور مسطح یعنی ہموار جگہ پر گرا جیسے چھت اور پہاڑ اور وہاں سے زمین

پر نہ گرا بلکہ وہیں رہا اور مردہ پایا گیا تو اب بھی شکار حلال ہے کہ ایسی ہموار جگہ بھی زمین کی طرح ہے تو اس سے

بچنا بھی ممکن نہیں۔

(د) اسی طرح شکار پر جانور چھوڑا یا تیر پھینکا، پھر وہ جانور اور شکار، اسی طرح تیر اور شکار نظروں سے اوجھل

ہو گئے لیکن شکاری ان کی تلاش سے بیٹھ نہ رہا، بلکہ مسلسل تلاش میں لگا رہا اور پھر اس جانور میں صرف

اپنا تیر لگا پایا، کوئی اور زخم نہ پایا اور اسی طرح کتے کو اسی کے پاس پایا تو جانور حلال ہے کہ جانور اور کتے کو نظروں

سے اوجھل ہو جانے سے بچانا ممکن نہیں۔

۲: یا احتمال سرے سے ہی نہیں تو بھی حلال ہے:

(الف) پرندے کو ایسا زخم لگا کہ اس میں صرف اتنی ہی زندگی باقی تھی جتنی ذبح شدہ میں ہوتی ہے یوں کہ

تیر نے اس کے سر کو ہی کاٹ دیا، اس کے بعد وہ پہاڑ کی چوٹی یا چٹان وغیرہ پر گرا اور لڑھک کر زمین پر آ رہا یا پانی میں

گر گیا تو اب ان تمام صورتوں میں وہ حلال ہے کیونکہ اب اصلاً یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ اونچی جگہ سے لڑھکنے یا پانی

میں گرنے سے مرا ہو۔

(ب) اسی طرح اگر وہ پرندہ ہی پانی والا ہو جیسے مرغابی اس کو تیر مارا اور وہ پانی میں گرا تو یہاں بھی پانی سے

مرنے کا احتمال نہیں ہے، ہاں اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا زخم پانی میں نہ ڈوبا ہو، اگر زخم پانی میں ڈوبا تو اس

صورت میں احتمال ہے کہ زخم کو پانی لگنے کی وجہ سے مرا ہو تو اب اس احتمال کی وجہ سے ذبح شرعی میں شک آئے

گا، پھر اس کی وجہ سے حلت میں شک آئے گا تو شک سے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: "ما قطع من حي فہو سمیت" ترجمہ: کسی زندہ جانور کا جو حصہ کاٹ لیا جائے، وہ

مردار ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ابواب الصيد، ص 232، کراچی)

الاشباہ والنظائر میں ہے: "الشاة فی حال حیاتیہا محرمة" ترجمہ: بکری زندہ ہونے کی حالت میں حرام

ہے۔ (الاشباہ والنظائر، صفحہ 62، مطبوعہ کراچی)

حاشیہ طحطاوی میں ہے: "شک طراً علی أصل حرام --- مثل أن یجد شاة مذبوحة فی بلد فیہا مسلمون ومجوس فلا تحل حتی یعلم أنها ذکاة مسلم لأن الأصل فیہا الحرمة إذ حل الأکل یتوقف علی تحقق الذکاة الشرعیة فصار حل الأکل مشکوکاً" ترجمہ: ایسی چیز میں شک واقع ہوا، جو اصل میں حرام ہے مثلاً کسی ایسے شہر میں ایک بکری ذبح شدہ پائی جائے، جس میں مسلمان اور مجوسی دونوں رہتے ہوں، تو وہ بکری حلال نہ ہوگی، جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، کیونکہ اس میں اصل حرمت ہے جبکہ کھانے کی حلت شرعی ذبیحے کے ثبوت پر موقوف ہے، پس بکری کے کھانے کا حلال ہونا مشکوک ہو گیا۔

(حاشیہ الطحطاوی، کتاب الطہارة، فصل فی بیان احکام السور ص 35، کراچی)

تحفة الفقہاء میں ہے: "فأما إذا وقع الشک فلا یحل إذا کان یمكن الاحتراز عنه بأن رسی صید فی الهواء فسقط علی جبل أو سطح أو شجر أو علی سنان رمح مر کوز فی الأرض أو علی حرف آجرة أو صخرة أو فی الماء ثم سقط علی الأرض لا یحل احتیاطاً لجانب الحرمة" ترجمہ: پس جب شک واقع ہو جائے تو حلال نہیں ہوگا جبکہ اس سے بچنا ممکن ہو، یوں کہ شکار پر فضا میں تیر پھینکا تو وہ پہاڑ پر یا چھت پر یا درخت پر یا زمین میں گاڑے ہوئے نیزے کے پھل پر یا پکی اینٹ کے کنارے پر یا چٹان پر یا پانی میں گرا، پھر زمین پر گرا تو احتیاطاً حلال نہیں ہے، حرمت کی جانب کی رعایت کرتے ہوئے۔

(تحفة الفقہاء، کتاب الصيد، ص 420، کوئٹہ)

تحفة الفقہاء میں ہے: "ولو أصاب السهم حائطاً أو صخرة فرجع السهم وأصاب الصيد فإنه لا یؤکل وهذا لأن الإرسال انقطع فاحتمل أنه حصل بقوة غیره ولا یحل مع الشک" ترجمہ: اور اگر تیر دیوار پر یا چٹان پر لگ کر واپس پلٹ آیا اور شکار کو لگا تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا اور یہ اس لیے ہے کہ تیر

چھوڑنے کا عمل ختم ہو گیا، تو احتمال پیدا ہو گیا کہ تیر، شکار کو بندے کی قوت کے علاوہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے لگا ہے، تو شک کی وجہ سے شکار حلال نہ ہوگا۔ (تحفة الفقہاء، کتاب الصيد، ص 422، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: ”نص عبارة الخانية هكذا: والسابع أن لا يتواری عن بصره أو لا يقعد عن طلبه فيكون في طلبه ولا يشتغل بعمل آخر حتى يجده لأنه إذا غاب عن بصره ربما يكون موت الصيد بسبب آخر فلا يحل إلخ۔۔۔ في الخانية بعده: وإذا تواری الكلب أو الصيد عن المرسل أو رمى إلى صيد فوجده بعد ذلك ميتا وفيه سهمه ليس فيه جرح آخر حل أكله إذا لم يترك الطلب، لأنه لا يستطيع الامتناع عن التواری عن البصر فيكون عفواً ونحوه في الهداية“ ترجمہ: خانہ کی عبارت اس طرح ہے: اور ساتویں شرط یہ ہے کہ: شکار، شکاری کی آنکھوں سے او جھل نہ ہو یا وہ اس کی تلاش سے بیٹھ نہ رہے، پس وہ اس کی تلاش میں مسلسل لگا رہے گا اور کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوگا، جب تک کہ شکار کو نہ پالے، کیونکہ جب وہ اس کی نگاہ سے او جھل ہو جائے گا، تو بعض اوقات اس کی موت کسی دوسرے سبب سے ہو جائے گی، تو اسے کھانا حلال نہیں ہوگا۔ (آگے مزید عبارت ہے)۔ خانہ میں اس کے بعد لکھا ہے: اور جب کتاب یا شکار، شکاری کی آنکھوں سے او جھل ہو جائے یا وہ شکار پر تیر چلائے پھر اس کے بعد اسے اس حالت میں مردہ پائے کہ اس میں اس کا تیر ہو، کوئی دوسرا زخم نہ ہو تو اس شکار کو کھانا حلال ہے جبکہ اس کو تلاش کرنا ترک نہیں کیا تھا، کیونکہ آنکھوں سے او جھل ہونے سے بچنا ممکن نہیں، تو یہ معاف ہوگا۔ اور اسی کی مثل ہدایہ میں ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصيد، ج 10، ص 65، کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”إذا تواری الكلب أو الصيد عن المرسل ثم وجده بعد وقت، وقد قتله فهذا على وجهين: إما أن لا يترك الطلب حتى وجده كذلك والكلب عنده، وفي هذا الوجه القياس: أن لا يؤكل، وفي الاستحسان: يؤكل قالوا: هذا الشرط لازم، وهو أن يكون الكلب عنده على جواب الاستحسان. فأما إذا وجد الصيد ميتا والكلب قد انصرف عنه لا يؤكل قياساً واستحساناً“ ترجمہ: جب کتاب اور شکار، بھیجنے والے کی آنکھوں سے او جھل ہو جائیں، پھر کچھ وقت کے بعد وہ شکار کو اس حال میں پائے کہ کتے نے اسے قتل کر دیا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو اس نے اسے تلاش کرنا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اسے اسی (مردہ) حالت میں پالیا اور کتاب بھی اس کے پاس تھا۔ اس صورت میں قیاس

یہ ہے کہ نہ کھایا جائے اور استحسان یہ ہے کہ کھایا جائے۔ علماء نے فرمایا: ”یہ شرط لازم ہے“ اور وہ یہ کہ: استحسان کے مطابق جو جواب دیا گیا، اس میں کتا شکار کے پاس ہو۔ بہر حال جب وہ شکار کو مرا ہوا پائے اور کتا وہاں سے ہٹ چکا تھا، تو نہ قیاساً کھایا جائے گا اور نہ استحساناً۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصيد، الباب الثالث فی شرائط الاصطیاد، ج 05، ص 421، 422، کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”إذا أصاب السهم الصيد فوق على الأرض أو على آجرة مطروحة على الأرض فمات يحل؛ لأن هذا مما لا يمكن الاحتراز عنه، وإن وقع في ماء أو على جبل أو صخرة أو شجرة أو حائط أو على سنان رمح مركوز أو على حرف آجرة أو لبنة منصوبة ثم وقع منه على الأرض لم يحل؛ لأن هذا مما يمكن الاحتراز عنه فإن التردى مما ينفك عنه الاصطیاد، فوجب اعتباره ويحتمل أن الموت حصل بالماء أو بالتردى فاجتمع المبيح والمحرم فيحرم احتياطاً حتى لو كان الطير مائياً فوق في الماء، ولم تغمس جراحته يحل أكله؛ لأنه لا يحتمل موته بسبب الماء، وإن أغمست جراحته لا يؤكل لاحتمال موته بالماء هذا كله إذا جرحه جرحاً يرجي حياته منه، وإن كان جرحاً لا يرجي حياته منه يحل لانعدام هذا الاحتمال إذا بقي فيه من الحياة مقدار ما يكون في المذبوح بعد الذبح بأن أبان رأسه ثم وقع في الماء، وإن مات على شيء من ذلك، ولم يقع منه على الأرض، فإن كان ذلك الشيء مما لا يقتل منه كالسطح والجبل يحل؛ لأن وقوعه على مكان مستو كوقوعه على الأرض لتعذر الاحتراز عنه“ ترجمہ: جب شکار کو تیر لگے، اور وہ زمین پر یا زمین پر پڑی کچی اینٹ پر گرے، پس مر جائے تو اسے کھانا حلال ہے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں اور اگر وہ پانی میں یا پہاڑ پر یا چٹان پر یا درخت پر یا دیوار پر یا زمین میں گڑے ہوئے نیزے کے پھل پر یا کچی اینٹ کے کونے پر یا زمین میں گڑی ہوئی اینٹ پر گرے، پھر اس سے لگ کر زمین پر گرے، تو کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے کہ کسی چیز پر گرنے کے بعد زمین پر گرنے سے شکار بچ سکتا ہے، پس اس کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (تو اس وجہ سے) احتمال پیدا ہو گیا کہ شکار کی موت پانی کے ساتھ ہوئی یا نہ کورہ چیزوں میں سے کسی سے گرنے سے ہوئی؟ پس حلال کرنے والی اور حرام کرنے والی دونوں دلیلیں جمع ہو گئیں تو اسے احتیاطاً حرام قرار دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر پرندہ پانی کا ہی ہو اور پانی میں گر جائے اور اس کا زخم پانی میں نہ ڈوبے تو اس کو کھانا حلال ہو گا کیونکہ اس کی موت پانی میں گرنے کے سبب ہونے کا احتمال نہیں اور اگر

اس کا زخم پانی میں ڈوب جائے تو نہیں کھایا جائے گا کہ اس کی موت پانی کے سبب ہونے کا احتمال ہے۔ یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جب تیر اس کو ایسا زخم لگائے، جس سے اس کے زندہ رہنے کی امید ہو اور اگر ایسا زخم ہو، جس سے اس کے زندہ رہنے کی امید نہیں کی جاسکتی، تو اس کا کھانا حلال ہے کہ اس صورت میں مذکورہ چیزوں سے مرنے کا احتمال نہیں، یہ تب ہے جبکہ اس میں اتنی ہی زندگی باقی ہو جتنی ذبح کے بعد ذبح شدہ جانور میں ہوتی ہے، یوں کہ تیر اس کا سر اڑا دے پھر وہ پانی میں گرے۔ اور اگر ان میں سے کسی چیز پر مر گیا اور اس سے زمین پر نہ گرا تو اگر وہ ایسی چیز ہے، جس سے قتل نہیں کیا جاتا، جیسا کہ چھت اور پہاڑ، تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ اس کا کسی ہموار جگہ پر گرنا زمین پر گرنے کی طرح ہے، کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصيد، الباب الرابع فی شرائط الصيد، ج 05، ص 427، کوئٹہ)

(ع) جن اموال میں کمی بیشی کرنے سے سود ہوتا ہے (جیسے وہ چیزیں جن کو ماپا جاتا ہے اور وہ چیزیں جن کا وزن کیا جاتا ہے) ان کی جب آپس میں بیع کی جائے۔ مثلاً گندم کو گندم کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے، تو ان کو بغیر ماپے یا وزن کیے محض اندازے سے بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کی بیع کے درست ہونے کے لیے دونوں کا باہم برابر ہونا شرط ہے اور اندازے کی صورت میں برابری مشکوک ہے اور شک سے شرط کا وجود ثابت نہیں ہوتا تو جس حکم کا اس شرط پر دار و مدار ہے، وہ حکم بھی شک سے ثابت نہیں ہوگا۔

شرح المجلد میں ہے: "ومن فروعہا مانصواعلیہ من عدم جواز البیع مجازفة فی الاموال الربویة کالمکیلات والموزونات لان المماثلة بینہما شرط محقق والمماثلة فی المجازفة مشکوک فیہا فلا تثبت الصحة، بناء علی الاصل المقرر وهو ان حکم المعلق علی شرط او المشروط بشرط اذا وقع الشک فی وجود شرطہ لایشب، لان مالیس ثابتا بیقین لایشب بالشک کما ان الثابت بیقین لایزول بالشک" ترجمہ: اور اس مسئلے کی فروع میں سے وہ مسئلہ ہے، جس کی فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ: "سودی اموال جیسے کیلی اور موزونی اشیاء کی اندازے کے ساتھ بیع جائز نہیں کیونکہ ان کا باہم برابر ہونا، طے شدہ شرط ہے اور اندازے سے لین دین کرنے میں ان کا باہم برابر ہونا مشکوک ہے، پس ثابت شدہ قاعدے پر بناء کرتے ہوئے یہ عقد درست نہ ہوگا اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ: "جو حکم کسی شرط پر معلق ہو یا کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو جب اس کی شرط کے پائے جانے میں شک ہوگا تو وہ حکم ثابت نہیں ہوگا کیونکہ جس کا ثابت نہ ہونا یقینی ہو، وہ شک سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ جو یقین سے ثابت ہو وہ شک سے ختم نہیں

ہوتا۔“

(شرح المجلة، المادة 4، اليقين لا يزول بالشك، جلد 01، صفحہ 18، مطبوعہ کوئٹہ)

فائدہ نمبر (۲) اسی طرح بازاری افواہوں سے بھی یقین کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوگا۔ مثلاً:

(الف) افواہ پھیل گئی کہ فلاں جگہ چاند نظر آیا ہے لیکن پھیلانے والوں کا پتا نہیں تو ایسی افواہ سے چاند کی رؤیت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ افواہ سے چاند کی رؤیت کا ثابت ہونا مشکوک ہے، یقینی نہیں، جبکہ چاند کی رؤیت کا نہ ہونا یہ یقینی تھا، تو شک سے یقین کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوگا۔

(ب) اسی طرح کھانے پینے وغیرہ حلال اشیاء کے متعلق افواہ پھیلتی ہے کہ ان میں خنزیر کی چربی ہے یا فلاں حرام شے ہے لیکن تحقیقی و یقینی بات نہیں ہوتی، تو اس سے بھی اس چیز کا حرام ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کہ اصل جو حلال ہے، وہ یقینی ہے جبکہ حرمت، مشکوک ہے اور شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

ردالمحتار میں ہے: "قال الرحمتي: معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيع من غير علم بمن أشاعه كما قد تشيع أخبار يتحدث سائر أهل البلدة ولا يعلم من أشاعها كما ورد: أن في آخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لا ندري من قالها فمثل هذا لا ينبغي أن يسمع فضلا عن أن يشهد به حكم. اهـ. قلت: وهو كلام حسن ويشير إليه قول الذخيرة: "إذا استفاض وتحقق" فإن التحقق لا يوجد بمجرد الشيع" ترجمہ: امام رحمتی نے فرمایا: "استفاضة کا معنی یہ ہے کہ: "اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ان میں سے ہر ایک شہر والوں کے متعلق بتائے کہ انہوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے" نہ کہ محض خبر کا پھیل جانا کہ جس کے پھیلانے والے کا ہی پتا نہ ہو، جیسا کہ بعض اوقات خبر پھیل جاتی ہے، جسے شہر والے سارے بیان کر رہے ہوتے ہیں مگر پھیلانے والے کا پتہ نہیں ہوتا، جیسا کہ وارد ہوا کہ "آخر زمانہ میں شیطان جماعت میں بیٹھ کر کوئی کلام کرے گا پھر لوگ پھیلانے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کلام کس نے کیا" تو ایسی خبروں پر کان دھرنا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے حکم ثابت کیا جائے۔" میں کہتا ہوں یہ اچھا کلام ہے۔ اور ذخیرہ کا قول کہ: "جب خبر مشہور اور ثابت شدہ ہو،" اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ خبر کے محض پھیلنے سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار کتاب الصوم، جلد 03، صفحہ 413، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے ”کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر۔۔۔ اگر یہ اخبار افواہ بازار۔۔۔ تو بالکل مردود و محض بے اعتبار“ (فتاویٰ رضویہ، ج 04، ص 537، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فائدہ نمبر (3) کوئی شے محل احتیاط سے دور ہو جیسے راستے کی کیچڑ، استعمالی جوتا، کتوں کے پھرنے کی جگہ وغیرہ تو اس سے سابقہ یقینی حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اس کا لحاظ کرنا محض بہتر ہوگا لیکن کوئی لازم و ضروری نہیں۔ لہذا

(الف) راستے کی کیچڑ پاک ہے جب تک اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو جب تک اصل کے خلاف دلیل نہ پائی جائے، اشیاء اپنی اصل پر رہیں گی۔

(ب) کتوں کے پھرنے، آنے جانے اور بیٹھنے کی جگہ بھی پاک ہے جب تک نجس ہونا معلوم نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ”فحکمی عن أبي نصر الدبوسي أنه طاهر إلا إذا رأى عين النجاسة، وقال: وهو صحيح من حيث الرواية وقريب من حيث المنصوص“ ترجمہ: ابو نصر دبوسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ: ”راستے کی کیچڑ پاک ہے مگر جبکہ نجاست کا وجود نظر آئے، اور فرمایا: روایت کے اعتبار سے یہی صحیح ہے اور منصوص ہونے کے اعتبار سے یہی قریب ہے۔“

(ردالمحتار مع الدر المختار، باب الانجاس، ج 01، ص 583، کوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: ”قال في المنح عن أبي نصر الدبوسي طين الشوارع ومواطن الكلاب طاهر۔۔۔ إلا إذا رأى عين النجاسة قال رحمه الله تعالى وهو الصحيح اهدأ من حيث الدراية وقريب من حيث الرواية عن أصحابنا رضي الله عنهم“ ترجمہ: منخ میں امام ابو نصر دبوسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا: ”راستوں کی کیچڑ اور کتوں کے رہنے کے مقام پاک ہیں، مگر جبکہ نجاست کا وجود نظر آئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور یہی صحیح ہے۔“ یعنی درایت کے اعتبار سے اور ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہونے کے اعتبار سے قریب ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الانجاس والطہارۃ عنہا، ص 158، کراچی)

(ج) اسی طرح جن حوضوں کے متعلق نجاست پڑنے کا خدشہ ہو، ان میں جب تک نجاست پڑنے کا یقین نہ ہو، محض شک سے وہ ناپاک نہیں ہوں گے اور ان کے متعلق کسی سے پوچھنا بھی ضروری نہیں، کیونکہ سوال

تب کیا جاتا ہے جب دلیل نہ ہو، جبکہ یہاں اصل وانی دلیل موجود ہے کہ اصل طہارت ہے اور اصل کے خلاف جب تک کوئی دلیل نہ آئے وہ اپنی حالت پر باقی رہتی ہے۔

الحدیقة الندیة میں ہے: "(وفیه) ای کتاب الخلاصة ایضا (یتوضا) ای یجوز له الوضوء (بماء الحوض) الصغیر الذی ماؤه غیر جار (الذی یخاف)۔۔۔ (ان یكون فیہ قدر) ای نجاسة (ولا یستیقنہ) ای القدرانہ فیہ، لان الاصل یقین الطہارة ولا یزول یقین بالشک بل یزول یقین بیقین مثله (ولیس علیہ) ای لا یجب (ان یسأل) احد عن هذا الحوض هل فیہ قدر ام لا (ولا) یجب علیہ انه (یدع) ای یتراک (التوضی منه) ای من ذلک الحوض و کذلک الاغتسال من الجنابة واستعماله فی الشرب والطبخ و غیر ذلک (حتی یستیقن) ای یتحقق بلا شک (انہ) ای الکائن فی ذلک الحوض (قدر) ای نجاسة، وفي فتح القدير: یتوضا من الحوض الذی یخاف فیہ قدر ولا یقین ولا یجب ان یسأل، اذ الحاجة الیه عند عدم الدلیل، والاصل دلیل۔۔۔ وفي جامع الفتاوی: ولا یلزم السؤال عن طہارة الحوض ما لم یغلب علی ظنہ نجاسته وبمجرد الظن لا یمنع من التوضی لان الاصل فی الاشیاء الطہارة" ترجمہ: اور "کتاب الخلاصة" میں یہ بھی ہے کہ: "بندے کے لیے اس چھوٹے حوض سے وضو کرنا، جائز ہے، جس کا پانی جاری نہ ہو، اس میں نجاست پڑنے کا اندیشہ ہو لیکن اس میں نجاست ہونے کا یقین نہ ہو کیونکہ اصل یقینی طہارت ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا بلکہ یقین اپنی مثل یقین سے ہی زائل ہوتا ہے۔ اس بندے پر یہ بھی واجب نہیں ہے کہ وہ اس حوض کے متعلق کسی سے پوچھے کہ اس میں نجاست ہے یا نہیں ہے اور نہ ہی اس پر یہ واجب ہے کہ وہ اس حوض سے وضو کرنا ترک کر دے۔ ایسے ہی غسل جنابت کرنے اور پینے، کھانے، پکانے میں استعمال کرنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ نجس ہونے کا بلاشبہ یقین ہو جائے یعنی اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس حوض میں نجاست ہے۔ فتح القدير میں ہے: اس حوض سے وضو کرنا، جائز ہے، جس میں نجاست پڑنے کا خدشہ ہو، یقین نہ ہو اور بندے پر اس کی پاکی، ناپاکی کے متعلق پوچھنا بھی واجب نہیں ہے کیونکہ اس کی حاجت دلیل نہ ہونے کی صورت میں ہوتی ہے، جبکہ یہاں اصل (طہارت ہونا) دلیل موجود ہے اور جامع الفتاوی میں ہے: اور حوض کی طہارت کے متعلق سوال کرنا لازم نہیں ہے، جب تک اس میں نجاست ہونے کا غالب گمان نہ ہو اور محض گمان (یعنی جو غالب گمان تک نہ پہنچے)، وضو کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ اشیاء میں



اصل، طہارت ہے۔

(الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف الثانی: فیما ورد عن ائمتنا الحنفیۃ، ج 05، ص 391، کوئٹہ)

(د) جسے اپنے برتن یا کپڑے یا بدن پر نجاست لگنے کا شک ہو تو اس کا بدن، برتن اور کپڑے پاک ہی

شمار ہوں گے، جب تک نجاست کا یقین یا غلبہ نطن نہ ہو جائے۔

(ہ) اسی طرح کنویں

(و) حوض

(ز) اور راستوں میں سبیلوں وغیرہ پر رکھے برتن، کہ جن سے ہر کوئی پانی پیتا ہے، چھوٹا، بڑا، مسلمان،

کافر، ان سب کے پاک ہونے کا ہی حکم دیا جائے گا۔

(ح) اور اسی طرح کفار کی دکانوں پر بننے والی روٹی، مکھن، بسکٹ، کپڑے ہیں کہ ان سب کے پاک ہونے

کا حکم ہوگا، جب تک ان کے ناپاک ہونے کا یقین یا غلبہ نطن نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "فی التتارخانیۃ: من شک فی إنائہ أو فی ثوبہ أو بدنہ أصابته نجاسة أو لا

فہو ظاہر مالہ یستیقن، و کذا الآبار والحبایض والحباب الموضوعۃ فی الطرقات ویستقی منها

الصغار والکبار والمسلمون والکفار؛ و کذا ما یتخذہ أهل الشریک أو الجہلۃ من المسلمین

کالسمن والخبز والأطعمۃ والشیاب اھد ملخصاً." ترجمہ: تتارخانیہ میں ہے: جس کو اپنے برتن یا

کپڑے یا بدن کے متعلق شک ہو کہ اس کو نجاست لگی ہے یا نہیں؟ تو پاک ہے، جب تک نجاست لگنے کا یقین نہ ہو

جائے۔ اور اسی طرح کنویں اور حوض اور راستے میں رکھے ہوئے برتن، جن سے چھوٹے، بڑے، مسلم، غیر مسلم

سب پانی پیتے ہیں اور اسی طرح مشرکین یا جاہل مسلمانوں کی دکانوں پر بننے والی اشیاء مثلاً گھی، روٹی، کھانوں اور

کپڑوں کا حکم ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 310، 311، کوئٹہ)

(ط) استعمالی جو تانویں سے نکلے اور اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو تو کنواں پاک ہے، ہاں اطمینان قلب کے

لیے بیس ڈول نکال لینا مستحب ہے۔

الطریقۃ المحمدیۃ اور اس کی شرح میں ہے " (سئل)۔۔۔ (الخجندی) رحمہ اللہ تعالیٰ (عن

رکیۃ) وہی البئر۔۔۔ (وجد)۔۔۔ (فیہا)۔۔۔ (خف) ای نعل من النعال التی تلبس ویمشی

صاحبہافی الطرقات (لایدری)۔۔۔ (متی وقع)۔۔۔ (فیہا)۔۔۔ (ولیس علیہ)۔۔۔ (اثر النجاسة، هل یحکم)۔۔۔ (بنجاسة الماء) الذی فی الرکیة (قال) الخجندی رحمہ اللہ تعالیٰ (لا) ای لا یحکم بنجاسة الماء لان الماء طاهر یقین فلا یتنجس بالشک "ترجمہ: امام خجندی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کنویں کے متعلق پوچھا گیا جس میں جو تاپایا جائے یعنی ایسا جو تاجسے جوتے والا، پہن کر گلیوں میں چلتا پھرتا ہو، یہ معلوم نہ ہو کہ کب پڑا ہے اور اس پر نجاست کا کوئی اثر بھی نہ ہو، تو کیا اس کنویں میں موجود پانی کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا؟ امام خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں یعنی پانی کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ پانی یقینی طور پر پاک ہے، پس محض شک کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوگا۔

(الحدیقة الندیة مع الطریقة المحمدیة، ج 05، ص 405-404، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں کنویں میں استعمالی جوتا کرنے کے متعلق سوال ہوا، تو جواب میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "جبکہ اس کی نجاست معلوم نہیں پانی ناپاک نہ ہو، فان یقین لایزول بالشک (کیونکہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا)۔۔۔ ہاں تسکین قلب کے لیے بیس ڈول نکال لینا مستحب ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج 03، ص 282-283، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فائدہ نمبر (۴) اسی طرح کوئی قوم حلال و حرام اور طہارت و نجاست کے معاملے میں بے احتیاط و بے پروا ہو جیسے کفار اور فساق اور بچے، اسی میں جانور بھی شامل ہیں، تو ان کی بے احتیاطی اور بے پرواہی سے بھی سابقہ یقینی حکم پر کوئی زد نہیں پڑے گی، ہاں اس کا اتنا فائدہ ہو گا کہ اس کا لحاظ کرنا بہتر ہو گا لیکن ضروری نہیں۔ لہذا اس پر درج ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں:

(الف) شرابیوں اور کافروں کے پاجاموں پر اگر قدر مانع نجاست ہونا معلوم ہو تو ان میں نماز جائز نہیں اور اگر معلوم نہ ہو تو وہ پاک ہیں، لہذا ان میں نماز جائز ہے، ہاں بہتر ہے کہ بغیر دھوئے ان میں نماز نہ پڑھے کہ ان کو دھوئے بغیر ان میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہی معاملہ ان کے برتنوں کا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "قال محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - ویکرہ الأکل والشرب فی أواني المشرکین قبل الغسل ومع هذا لو أکل أو شرب فیها قبل الغسل جاز ولا یكون آکلا ولا شارباً حراماً وهذا إذا لم یعلم بنجاسة الأواني فأما إذا علم فإنه لا یجوز أن یشرب ویأکل منها قبل الغسل ولو شرب أو أکل کان شارباً و آکلاً حراماً وهو نظیر سور الدجاجة إذا علم أنه

كان على متقارها نجاسة فإنه لا يجوز التوضؤ به والصلاة في سراويلهم نظير الأكل والشرب من أوانيهم إن علم أن سراويلهم نجسة لا تجوز الصلاة فيها وإن لم يعلم تكره الصلاة فيها ولو صلى بجوز" ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور مشرکین کے برتنوں کو دھونے سے پہلے ان میں کھانا، پینا مکروہ ہے، اور اس کے باوجود اگر دھونے سے قبل ان میں کھالیا پیا لیا، تو بھی جائز ہے۔ اور وہ حرام کھانے، پینے والا نہیں کہلائے گا اور یہ جب ہے کہ برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو۔ بہر حال جب ان برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم ہو تو دھونے سے پہلے ان برتنوں میں کھانا، پینا جائز نہیں اور اگر اسی حالت میں کسی نے کھا، پی لیا تو وہ حرام کھانے، پینے والا کہلائے گا اور یہ مرغی کے جوٹھے کی طرح ہے کہ جب اس کی چونچ پر نجاست ہونا معلوم ہو تو اس کے جوٹھے سے وضو جائز نہیں اور مشرکین کے پاجاموں میں نماز، ان کے برتنوں میں کھانے، پینے کی طرح ہے۔ اگر معلوم ہو کہ ان کے پاجامے ناپاک ہیں، تو ان میں نماز جائز نہیں اور اگر نجس ہونا معلوم نہ ہو تو ان میں نماز مکروہ ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی تو جائز ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الکراہیہ، جلد 05، صفحہ 347، مطبوعہ کوئٹہ)

طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے: "(لکن)۔۔ (ہنا) ای فی حالة غلبة الظن من غیران يأخذ به القلب۔۔۔ (یستحب)۔۔ (الاحتراز)۔۔ (عنه)۔۔ (ویکرہ تنزیہا)۔۔ (استعماله)۔۔ (کسراویل الکفرة)۔۔ (و)۔۔ (سور)۔۔ (الدجاجة)۔۔ (المخلاة) (و)۔۔ (الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیہ)۔۔ (و)۔۔ (اوانی)۔۔ (المشركین) " ترجمہ: لیکن ایسے غالب گمان کی حالت میں کہ جس پر دل نہ جمے، اس سے بچنا مستحب ہے اور اس کا استعمال مکروہ ہے جیسا کہ کافروں کے پاجامے، گلی میں چھوٹی پھرتی مرغی کا جوٹھا اور وہ پانی جس میں بچے نے ہاتھ ڈال دیا ہو اور مشرکین کے برتنوں کا استعمال کرنا (مکروہ ہے۔)

(ب) چھوٹا بچہ جب پانی میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو اس کے ہاتھ، پاؤں کو دیکھیں گے، اگر ڈالتے وقت نجاست ثابت ہو تو ناپاک اور پاکی ظاہر ہو تو پاک اور کچھ نہ کھلے تو مستحب ہے کہ دوسرا پانی استعمال کریں۔ لیکن اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا کہ اصل طہارت ہے، جو یقینی ہے اور نجس ہونے میں شک ہے، لہذا اگر اسی سے وضو کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو گئی۔

محیط برہانی میں ہے: "وفي «الأصل» أيضاً إذا أدخل الصبي يده في كوز ماء أو رجله فإن علم أن يده طاهرة بيقين يجوز التوضؤ بهذا الماء، وإن علم أن يده نجسة بيقين لا يجوز التوضؤ به، وإن كان لا يعلم أنه طاهر أو نجس فالمستحب أن يتوضأ بغيره لأن الصبي لا يتوقى النجاسات عادة، مع هذا لو توضأ به أجزاءه لأن الطهارة أصل، وفي النجاسة شك" ترجمہ: یونہی اصل میں ہے: اگر بچے نے پانی کے کوزے میں ہاتھ یا پیر ڈالا، تو اگر یقین سے یہ معلوم ہو کہ اس کا ہاتھ یا پیر پاک ہے، تو اس پانی سے وضو کرنا، جائز ہے اور اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کے ہاتھ پر نجاست ہے، تو اس پانی سے وضو کرنا، جائز نہیں اور اگر معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے کیونکہ بچے عادتاً نجاستوں سے نہیں بچتے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اسی پانی سے وضو کر لیا تو جائز ہے۔ کیونکہ طہارت اصل ہے اور نجاست میں شک ہے۔

(المحیط البرہانی، کتاب الطہارات، الفصل الرابع، ج 01، ص 121، کوئٹہ)

(ج) اسی طرح کھلی پھرنے والی مرغی کا جو ٹھاپاک ہے جب تک اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو، لہذا اگر مرغی کا جو ٹھاپانی کسی کے بدن یا کپڑے پر لگا اور اس نے بغیر دھوئے نماز پڑھ لی تو نماز ہو گئی۔

محیط برہانی میں ہے: "لو أصاب عضو إنسان أو ثوبه سؤر الدجاجة، أو الماء الذي أدخل فيه يده، وصلی مع ذلك جازت صلاته، وطريقه ما قلنا: أن الأصل في الأشياء الطهارة، وقد تيقنا بالطهارة وشكنا في النجاسة فلا تثبت النجاسة بالشك" ترجمہ: اگر مرغی کا جو ٹھاپانی یا وہ پانی جس میں کسی نے ہاتھ ڈال دیا ہو، انسان کے جسم یا کپڑوں کو لگ جائے اور وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے اور تحقیق ہمیں طہارت کا یقین ہے اور نجاست کا شک ہے، پس نجاست، شک سے ثابت نہیں ہوگی۔ (المحیط البرہانی، ج 05، ص 102، کوئٹہ)

(ہ) گائے بکری اور ان جیسے جانور اگر کنویں یا وہ دروہ سے چھوٹے حوض میں گر جائیں پھر زندہ باہر نکل آئیں تو پانی کے پاک رہنے کا حکم کیا جائے گا، جب تک کہ ان کے جسم پر نجاست کا ہونا یقینی نہ ہو کیونکہ اصل طہارت ہے تو سابقہ حکم باقی رہے گا، جب تک اس کا خلاف کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے۔

فتح القدیر میں ہے: "والحاصل أن المخرج حيا إن كان نجس العين أو في بدنه نجاسة

معلومة نرحت کلہا، وإنما قلنا معلومة لأنہم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیالا یجب نرح شیء وإن کان الظاہر اشتمال بولہا علی أفخازہا، لکن یحتمل طہارتہا بأن سقطت عقیب دخولہا ماء کثیرا، ہذا مع الأصل وهو الطہارة تظافرا علی عدم النرح واللہ سبحانہ وتعالی أعلم. وقیل ینرح من الشاة کلہ، والقواعد تنبو عنہ ما لم یعلم یقینا تنجسہا کما قلنا "ترجمہ: اور حاصل کلام یہ ہے کہ کنویں سے نکالا جانے والا جانور زندہ ہو تو اگر وہ نجس العین ہے یا اس کے بدن پر نجاست کا ہونا معلوم ہے، تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا۔ ہم نے نجاست کے معلوم ہونے کی بات اس لئے کی ہے کہ فقہاء نے زندہ نکالی جانے والی گائے وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ کنویں سے کچھ بھی پانی نکالنا ضروری نہیں، اگرچہ ان کی رانوں کا پیشاب سے آلودہ ہونا ظاہر ہے لیکن ان کے پاک ہونے کا پھر بھی احتمال ہے، وہ یوں کہ یہ پیشاب کرنے کے بعد کثیر پانی میں داخل ہونے کے بعد کنویں میں گرے ہوں۔ تو یہ احتمال اور اس کے ساتھ اصل جو کہ طہارت ہے، یہ دونوں چیزیں کنویں سے پانی نہ نکالنے پر متفق ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالی زیادہ جانتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ بکری کے گرنے پر کنویں کا سارا پانی نکالا جائے، حالانکہ یہ قواعد سے بعید ہے جب تک یقینی طور پر اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو، جیسے ہم نے بیان کیا ہے۔ (فتح القدیر، فصل فی البش ج 01، ص 110، کوئٹہ)

علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی توجیہ اور امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی احسن توجیہ:

صاحب فتح القدر نے گائے والے مذکورہ مسئلے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ "ظاہر یہی ہے کہ جانوروں کی رانوں پر پیشاب لگا ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ کنویں وغیرہ میں گرنے سے پہلے وہ کسی کثیر پانی میں داخل ہو کر پاک ہو گئے ہوں"

اس پر امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ "جانوروں کی رانوں پر پیشاب لگنا ظاہر ہے لیکن یہ ظہور، حد یقین تک نہیں پہنچا ہوا، پس کہا جائے گا کہ: "جانوروں کی رانوں پر پیشاب کا لگنا یقینی نہیں، تو رانوں کا ناپاک ہونا یقینی نہ ہوا، لہذا رانوں کی ناپاکی کا حکم بھی نہیں دیا جائے گا۔"

صاحب فتح القدر کی توجیہ پر اشکال اور امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی توجیہ کی ترجیح:

اور صاحب فتح القدر کی توجیہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ "گھر میں بندھی ہوئی گائیں اور بکریاں کہ جن کو نظروں کے سامنے کھولا گیا اور وہ کنویں میں گریں یا درودہ سے کم حوض میں داخل ہوئیں اور ان کا اس سے پہلے

کثیر پانی میں نہ جانا یقینی ہو، ان کے متعلق بھی حکم یہی ہے کہ پانی پاک ہی رہے گا جب تک نجاست کا ہونا یقینی نہ ہو، لیکن اس صورت میں علامہ ابن ہمام کی بیان کردہ وجہ جاری نہیں ہو سکے گی کہ یہاں گرنے سے پہلے کثیر پانی میں جانے کا احتمال ہی نہیں۔"

لہذا اس کے بجائے امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی توجیہ ہی بہتر ہے کہ ”رانوں پر پیشاب کا لگنا یقینی نہیں تو نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔“

امام اہلسنت کی عبارت یہ ہے: "اقول: لو لاهيبة العلامة المحقق على الاطلاق مقارب الاجتهاد صاحب الفتح رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقلت ان هذا الاحتمال انما يتمشى فى السوائم او فى بعضها، اما العلوفة فلا تخفى احوالها على مقتنيها غالباً والحكم عام فلا بد من توجيه آخر ويظهر لى والله تعالى اعلم ان هذا الاشتمال انما هو ظاهر يغلب على الظن من غير ان يبلغ درجة اليقين لان البول لا ينزل على الافخاذ والقرب غير قاض بالتلوث دائماً وهى ربما تتفاج وتنخفض حين الاهراق فلم يحصل العلم بالنجاسة والى هذا يشير آخر كلام المحقق حيث يقول وقيل ينزح من الشاة كله والقواعد تنبوعه ما لم يعلم يقيناً تنجسها اهـ۔" ترجمہ: میں کہتا ہوں: اگر محقق علی الاطلاق اور منصب اجتہاد کا قرب رکھنے والے، صاحب فتح القدير کی ہیبت کا خیال نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ احتمال باہر چرنے والے تمام یا بعض جانوروں کے بارے میں ہے، جہاں تک گھر میں چارہ کھانے والے جانوروں کا تعلق ہے، تو عام طور پر مالک سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہوتا اور حکم عام ہے لہذا کسی دوسری توجیہ کی ضرورت ہے، مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ پیشاب کارانوں سے لگا ہونا ایسا ظاہر ہے، جس پر غالب گمان ہوتا ہے لیکن درجہ یقین کو نہیں پہنچتا، کیوں کہ پیشاب رانوں پر نہیں اترتا اور قرب ہمیشہ آلودہ ہونے کا فیصلہ نہیں کرتا اور بعض جانور ناگنیں پھیلا کر اور جھک کر پیشاب کرتے ہیں، لہذا نجاست کا یقین حاصل نہ ہو۔ کلام محقق کا آخری حصہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے، جب انہوں نے فرمایا: کہا گیا ہے کہ بکری (کے گرنے) سے پورا پانی نکالا جائے حالانکہ قواعد اس کی نفی کرتے ہیں جب تک اس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو۔ علامہ ابن ہمام کا کلام ختم ہوا۔

ہوا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج 04، ص 492، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شانی جواب:

بلکہ یہاں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی ایک اور تحقیق ہے جس کے بعد اوپر ذکر کردہ دوسری توجیہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی، وہ یہ کہ "جس طرح زمین پر پیشاب پڑے اور خشک ہو جائے کہ اثر باقی نہ رہے تو زمین نماز کے لیے پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح جانوروں کے بدن پر ان کا پیشاب لگ کر خشک ہونے کے بعد ان کا بدن پاک ہو جاتا ہے۔ نیز جس طرح جوتے میں کوئی جرم دار نجاست لگی اور چلنے میں ریت مٹی سے خشک ہو کر جھڑ گئی، جو تپاک ہو گیا، اسی طرح جب جانوروں کی میٹھی، گوبران کے بدن پر لگ کر خشک ہو کر، لیٹنے، لوٹنے، بدن کھانے سے جھڑ گئے، اور ان کا اثر نہ رہا تو بدن پاک ہو گیا۔"

لہذا "جو جانور کنویں یا درودہ سے کم حوض میں داخل ہو گا تو اس کے جانے سے پانی کو اس وقت تک ناپاک نہیں کہا جائے گا، جب تک پیشاب کا تر ہونا یا میٹھی گوبر کا جسم پر موجود ہونا ثابت نہ ہو جائے۔"

چنانچہ امام اہلسنت علیہ الرحمۃ اس تحقیق کو تحریر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں: "اس کے بعد اس توجیہ کی ضرورت نہیں جو شکر والے رسالے میں ذکر کی گئی۔ (یعنی علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی توجیہ کے مقابل، جس کا ذکر فتاویٰ رضویہ کی چوتھی جلد کے حوالے سے اوپر گزرا۔) چنانچہ عبارت یہ ہے: "خاطر فقیر غفرلہ المولیٰ القدر میں مدت سے یہ خطور کرتا تھا: یہاں جناف و انتشار سبب طہارت ہوں یعنی جس طرح زمین پر پیشاب پڑا اور خشک ہو گیا کہ اثر باقی نہ رہا زمین نماز کیلئے پاک ہو گئی اگرچہ اس سے تیمم نہیں ہو سکتا یوں ہی ان کے بدن پر ان کا پیشاب لگ کر خشک ہونے کے بعد بدن پاک ہو جاتا ہے۔ نیز جس طرح جوتے میں کوئی جرم دار نجاست لگی اور چلنے میں ریت مٹی سے خشک ہو کر جھڑ گئی جو تپاک ہو گیا یوں ہی جب ان کی میٹھی گوبر بدن پر لگ کر خشک ہو کر لیٹنے لوٹنے بدن کھانے سے جھڑ گئی بدن پاک ہو گیا مگر اس پر جرأت نہ کرتا تھا یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ فتاویٰ غمیثیہ میں اس کی تصریح دیکھی: حیث قال سئل ابو نصر رحمہ اللہ تعالیٰ من یغسل الدابة فی صیبه من مائها او عرفھا قال لا یضرہ قیل لہ فان کانت تمرغت فی روئھا و بولھا قال اذا جف و تناثر و ذهب عینہ فلا یضرہ (یوں کہ انہوں نے فرمایا: "ابو نصر رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو جانور کو نہلا رہا ہو اور اس کو جانور کے پانی یا پسینہ سے کچھ لگ جائے، جواب میں انہوں نے فرمایا کہ: یہ اسے کوئی نقصان نہ دے گا، ان سے کہا گیا کہ اگر وہ جانور گوبر اور پیشاب میں ملوث ہو تو؟ جواب میں انہوں نے فرمایا: جب وہ خشک ہو جائے، جھڑ جائے اور اس کا اثر جاتا رہے، تو وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔"۔۔۔۔۔ یہ ہے

بِحمد اللہ تعالیٰ جواب شافی "ولاحاجة بعده الی ما کنت وجهت به فی الاحلی من السکر" (اور اس کے بعد رسالہ "الاحلی من السکر" میں جو وجہ میں نے بیان کی ہے، اس کی ضرورت نہیں رہتی۔)

(فتاویٰ رضویہ، ج 03، ص 291-292، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فائدہ نمبر (۵) کسی شے کی نوع کے افراد میں حرام یا ناپاک شے کا ملنا، اس کے تمام افراد سے ممانعت اس وقت لازم کرے گا جبکہ یقین و تحقیق ہو کہ حرام یا نجاست اس شے کے تمام افراد میں شامل ہے اور اگر صرف اتنا یقینی ہو کہ اس نوع کے بعض غیر متعین افراد میں حرام یا نجس شے ہے، تمام میں نہیں تو اس صورت میں تمام افراد سے ممانعت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ صرف انہی بعض سے ہوگی جن کے متعلق یقین سے حرام یا نجس شے کی ملاقات ثابت ہو، لہذا اس کے مطابق درج ذیل تفصیل ہے:

(الف) وہ پوسٹین کہ دار الحرب سے پاک کر آئے، اس کے متعلق علمائے کرام فرماتے ہیں کہ

(۱) اگر کنفرم ہو کہ نجس چیز سے پکی ہے تو بے دھوئے اسے پہن کر نماز جائز نہیں۔

(۲) اگر کنفرم ہو کہ پاک چیز سے پکی ہے، تو بے دھوئے نماز قطعاً جائز۔

(۳): اور شک ہو کہ پاک چیز سے پکی کر آئی یا ناپاک سے تو دھونا افضل ہے لیکن اس کی نجاست کا حکم نہیں

دیا جائے گا کہ اصل پاک ہونا ہے، لہذا بغیر دھوئے نماز پڑھ لی تو ہو جائے گی۔

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: "وفی منیۃ المصلی وشرحها السنجاب إذا خرج من دار

الحرب وعلم أنه مدبوغ بودک المیتة لاتجوز به الصلاة ما لم یغسل لأنه طهر بالذباغ وتنجس

بودک المیتة فیطهر بالغسل والعصران أمکن عصره وإلا فیجفف ثلاثا وإن علم أنه مدبوغ

بشيء طاهر جازت معه الصلاة وإن لم یغسل وان شک فالأفضل أن یغسل ولو لم یغسل

جازت بناء علی أن الأصل الطهارة اه" ترجمہ: منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے: جب سنجاب کی کھال

دار الحرب سے نکلے اور معلوم ہو کہ اس کی مردار کی چربی کے ساتھ دباغت کی گئی ہے، تو اس میں نماز پڑھنا جائز

نہیں، جب تک دھونا لی جائے کیونکہ وہ دباغت سے پاک ہوگئی لیکن مردار کی چربی سے ناپاک ہوگئی۔ پس وہ

دھونے اور نچوڑنے سے پاک ہوگی جبکہ نچوڑنا ممکن ہو ورنہ تین بار دھونے اور ہر بار دھونے کے بعد خشک کرنے

سے پاک ہوگی۔ اور اگر معلوم ہو کہ کسی پاک چیز کے ساتھ دباغت کی گئی ہے، تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے،



اگرچہ دھوئی نہ گئی ہو اور اگر شک ہو تو افضل یہ ہے کہ دھویا جائے اور اگر دھوئے بغیر نماز پڑھ لی، تو بھی جائز ہے، اس قاعدے پر بناء کرتے ہوئے کہ اصل طہارت ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الانجاس والطہارۃ عنہا، ص 168-167، کراچی)

### نوٹ:

کسی شے کی نوع کے تمام افراد میں نجاست ہو تو کیا حکم ہوگا؟

ہاں اگر اس نوع کے تمام افراد میں نجاست کی ملاقات ثابت ہو مثلاً ناپاک چیز میں ایسی خصوصیت ہو کہ کسی چیز میں اس ناپاک چیز کو استعمال کیا ہی جاتا ہے اور پھر اس چیز کو اس ناپاکی سے پاک بھی نہیں کیا جاتا، جیسے پچھلے زمانے میں فارسیوں کا ریشمی کپڑا تھا کہ وہ اسے بنتے وقت، اس میں چمک لانے کے لیے پیشاب کا استعمال کرتے تھے اور پھر اسے پاک بھی نہیں کرتے تھے، تو ایسی صورت میں اس کے تمام افراد پر نجاست کا حکم لگے گا کہ اب بعد والے یقین سے سابقہ یقین ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی کھانے پینے کی چیز کی نوع کے متعلق کنفرم معلوم و محقق ہو کہ اس کے تمام افراد میں شراب یا خنزیر یا مردار کی چربی شامل کی جاتی ہے اور بنانے والے اس کا التزام کرتے ہیں، تو اب اس کے تمام افراد کا استعمال ناجائز و حرام ہوگا، جب تک کسی خاص فرد کے متعلق یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ خاص اس میں وہ شراب اور حرام چربی شامل نہیں۔ (لیکن یہ یاد رہے کہ یہ شراب یا حرام چربی کا ملنا یقینی طور پر ثابت ہو، محض بازاری افواہ نہ ہو، جیسا کہ عموماً افواہوں والا معاملہ ہوتا ہے۔)

در مختار میں ہے: ”دیباچ اہل فارس نجس لجعلہم فیہ البول لبریقہ“ ترجمہ: اہل فارس کا دیباچ (ریشمی کپڑا) ناپاک ہے کیونکہ وہ اس میں چمک پیدا کرنے کیلئے پیشاب استعمال کرتے ہیں۔

(در مختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، فصل فی الاستنجاء، ج 01، ص 622، کوئٹہ)

بدائع الصنائع میں ہے: ”وقالوا فی الدیباچ الذی ینسجہ اہل فارس: إنه لا تجوز الصلاۃ فیہ؛ لأنہم یستعملون فیہ البول عند النسج، یرعمون أنه یرید فی بریقہ، ثم لا یغسلونہ لأن الغسل یفسدہ“ ترجمہ: فقہاء نے فرمایا: اہل فارس جو دیباچ بناتے ہیں، اس میں نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بننے وقت اس میں پیشاب استعمال کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے اس کی چمک میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اسے دھوتے

نہیں کیونکہ دھونے سے وہ خراب ہو جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 236، کوئٹہ)  
 فائدہ نمبر (۶) اسی طرح بازار میں حلال و حرام ہر طرح کی چیز ہو، اگرچہ اکثر حرام ہی ہو یا کسی خاص جنس کے بعض افراد میں حرام کی ملاوٹ ہو لیکن وہ بعض کون ہیں ان کی تعین نہ ہو تو بازار سے خریداری ممنوع نہیں ہوگی کہ جب وہاں حلال بھی ہے تو اب حرام یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے تو اس کی وجہ سے اصل یقینی جو حلال ہونا ہے وہ زائل نہیں ہوگی۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "إذا اختلط الحلال بالحرام في البلد، فإنه يجوز الشراء، والأخذ إلا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام، كذا في الأصل" ترجمہ: جب کسی شہر میں حلال و حرام مکس ہوں، تو وہاں سے کوئی چیز خریدنا اور لینا جائز ہے، ہاں اگر کسی خاص چیز کا دلیل شرعی سے حرام ہونا ثابت ہو جائے، تو اس کو خریدنا اور لینا جائز نہیں ہوگا۔ (الاشباہ والنظائر، ص 113، کراچی)

غمزعیون البصائر میں ہے: "کون الغالب في السوق الحرام لا يستلزم كون المشتري حراماً؛ لجواز كونه من الحلال المغلوب، والأصل الحل" ترجمہ: بازار میں حرام کے غالب ہونے سے، کسی خریدی گئی چیز کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ چیز مغلوب حلال قسم سے ہو اور اصل، حلال ہوتا ہے۔ (غمز العیون، ج 01، ص 344، بیروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اهل السوق لا تخلو عن الفساد فإن كان الغالب هو الحرام يتنزه عن شرائه ولكن مع هذا لو اشتراه يطيب له المشتري شراء فاسدا إذا كان عقد المشتري الأخير صحيحاً كذا في القنية." ترجمہ: کسی کو غالب گمان ہو کہ اہل بازار کی اکثر خرید و فروخت فساد سے خالی نہیں ہوتیں، پس اگر غالب حرام ہو تو خریداری سے بچنا بہتر ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہاں سے کوئی ایسی چیز خریدی جو فاسد عقد کے ساتھ خریدی گئی تھی تو اس کے لیے حلال ہے جبکہ آخری خریدار کا عقد صحیح ہو جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، جلد 05، صفحہ 364، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "جب بازار میں حلال و حرام مطلقاً یا کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی میسر و علامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے

تو ہر شے میں احتمالِ حلت قائم اور رخصت و اباحت کو اسی قدر کافی۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج 04، ص 511، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(الف) یونہی کسی شخص کے پاس حلال و حرام دونوں طرح کا مال ہو تو اس کا ہدیہ لینا یا دعوت کھانا یا اس سے خرید و فروخت کرنا، جائز ہے اگرچہ اکثر مال وجہ حرام سے ہو جب تک کہ تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ جو دے رہا ہے، یہ مال حرام ہے، کیونکہ اشیاء میں اصل حلت یعنی ان کا حلال ہونا ہے، ہاں اکثر حرام ہونے کی صورت میں پچنا بہتر ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے: "مثل معامله من اکثر مالہ حرام لا تحرم مبیعته حیث لم یتحقق حرمة ما أخذہ منہ ولكن یکره خوفا من الوقوع فی الحرام کذا فی فتح القدر "ترجمہ: جیسے اس کے ساتھ معاملہ کہ جس کا اکثر مال حرام ہو، اس کے ساتھ خرید و فروخت حرام نہیں جبکہ جو چیز اس سے لے رہے ہیں اس کا حرام ہونا ثابت نہ ہو لیکن حرام میں پڑنے کے اندیشے کے سبب مکروہ ہے۔ جیسا کہ فتح القدر میں ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی، ص 36، کراچی)

الحدیقۃ الندیۃ میں ہے: "(وقال فی الخلاصۃ: السلطان) وکذلک الامیر والقاضی وکل من ولی امر المظالم واخذ الرشوة (اذا قدم) لضعیفه (شیئاً من الماکولات ان اشتراه) ولو بالدرہم اذالم یعینہا۔ (یحل) الاکل منہ (وان لم یشره و لكن الرجل) ای الضیف (لا یعلم ان فی الطعام) الذی قدمہ لہ (شیئاً مغصوباً بعینہ یباح) لہ (اکلہ) فاذا علم شیئاً بعینہ انه مغصوب لا یجوز اکلہ (انتہی)۔ (وہکذا قال الامام قاضی خان۔۔۔ (وزاد)۔۔۔ (لان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ) والاصل یقین والیقین لا یزول بالاحتمال والشک والظن وانما یزول بیقین مثله "ترجمہ: اور خلاصہ میں فرمایا: سلطان اور اسی طرح امیر یا قاضی اور ہر وہ شخص جو ظلم والے معاملات کا والی ہو اور رشوت لیتا ہو، جب وہ اپنے مہمان کو کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرے تو اگر اس نے وہ خریدی ہو اگرچہ دراہم کے بدلے میں جبکہ وہ دراہم خریداری میں معین نہ کیے ہوں، تو مہمان کا اس میں سے کھانا حلال ہے اور اگر اس نے وہ چیز خریدی نہیں، لیکن مہمان یہ نہیں جانتا کہ جو کھانا سے پیش کیا گیا، اس میں بعینہ کوئی غصب کی ہوئی چیز ہے، تو اس کا کھانا مباح ہے اور جب بعینہ کسی شے کے غصب شدہ ہونے کا علم ہو، تو وہ کھانا، جائز نہیں

ہے۔ خلاصہ کا کلام ختم ہوا۔ ایسے ہی امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس میں اتنا زائد ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اصل یقین ہے اور یقین محض احتمال اور شک اور گمان سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اپنی مثل یقین کے ساتھ زائل ہوتا ہے۔

(الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف الثانی فیما ورد عن ائمتنا الحنفیۃ، ج 05، ص 485، کوئٹہ)

(ب) بلکہ جب کوئی شخص کسی کے پاس مہمان جائے

(۱) اور میزبان جو ظاہراً عادل ہے، اس پر شک کی کوئی وجہ نہیں، وہ اس کے سامنے کھانا، پانی رکھے، اسے بستر وغیرہ ضروریات پیش کرے تو مہمان کو اجازت نہیں کہ اس سے ان کے متعلق سوال کرے کہ کہاں سے آئے؟ حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے؟ کیونکہ جب اصل حلت ہے تو اصل باقی رہے گی جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ آئے۔

(۲) میزبان اگر مشکوک بھی ہے، تب بھی ان چیزوں کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اصل حلت ہے، لہذا اسی اصل کی وجہ سے بغیر پوچھے ان چیزوں کو استعمال کر لیا جائے۔

معجم اوسط، شعب الایمان، مسند احمد، شرح معانی الآثار اور مستدرک حاکم میں ہے: (واللفظ لآخر) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا دخل أحدكم على أخيه فأطعمه طعاماً فليأكل منه ولا يسأله عنه وإن سقاه شراباً فليشرب منه ولا يسأله عنه»" ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی، اپنے بھائی کے پاس آئے اور وہ اسے کچھ کھانے کو پیش کرے، تو اسے چاہیے کہ اس میں سے کھالے اور اس سے سوال نہ کرے اور اگر کوئی مشروب پلائے، تو چاہیے کہ اس سے پی لے اور اس سے سوال نہ کرے (یعنی یہ نہ پوچھے کہ حلال طریقہ سے آئی ہے یا حرام طریقے سے۔)

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الاطعمۃ، ج 05، ص 53، کراچی)

حدیقتہ الندیۃ میں ہے: "(وعلى هذا) الحكيم المذكور من انه لا عبرة بالشك، وانما العبرة باليقين ولا يزول اليقين الا بيقين مثله (الضيف اذا قدم)۔۔۔ (له)۔۔۔ (الطعام) والشراب، والفراش والدحاف ونحو ذلك مما يحتاج اليه (ليس للضيف) اي لا يجوز له لاقتضاء ذلك اساءة الظن المحرم بمن ظاهره العدالة او لا يجب عليه (ان يسأله) اي يسأل من قدم له

ذلک (من این لک هذا الطعام؟) او الشراب ونحوہ (بل) هو (من الغصب او) من (السرقۃ) او اشتریتہ بمال حرام ونحو ذلک، فان الاصل الحل وهو الیقین فلا یزول بالشک بل لایزول الا بیقین مثله " ترجمہ: اور مذکورہ حکم کی وجہ سے کہ "شک کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ یقین کا اعتبار ہے اور یقین اپنی مثل یقین سے ہی زائل ہوتا ہے" مہمان کو جب کھانا، پانی، بستر و لحاف اور اس کی مثل دوسری ضرورت کی چیزیں پیش کی جائیں، تو ان کے متعلق پوچھ گچھ کرنا، اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ اس سے اس شخص کے متعلق حرام بدگمانی لازم آتی ہے، جس کا ظاہر عادل ہونا ہے یا مہمان پر واجب نہیں کہ وہ کھانے پینے وغیرہ لوازمات، جو پیش کی گئیں، ان کے متعلق پوچھے کہ یہ کھانا، پانی وغیرہ تمہارے پاس کس ذریعے سے آیا ہے؟ یہ غصب یا چوری سے حاصل ہوا ہے یا تم نے مال حرام کے ساتھ خریدا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اصل حلال ہونا ہے اور اس کا یقین ہے، پس یہ شک کے ساتھ زائل نہ ہوگا بلکہ اپنے جیسے یقین سے ہی زائل ہوگا۔

(الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف الثانی فیما ورد عن ائمتنا الحنفیۃ، ج 05، ص 392، کوئٹہ)

### نوٹ:

#### مجهول المقام یقین کا شک سے زوال:

اگر یقین مجهول المقام ہو کہ اس کا محل متعین نہ ہو اور اس میں کسی یقینی طریقہ سے شک پیدا ہو جائے تو ایسے شک سے وہ سابقہ یقین زائل ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

(الف) چادر کی ایک طرف یقیناً ناپاک تھی مگر متعین حصہ یاد نہ رہا پھر کوئی سا بھی حصہ دھولیا تو نجاست کا حکم زائل ہو جائے گا۔

ہاں اس صورت میں اول تو بہتر یہ ہے کہ جس جگہ نجاست کا علم ہے کہ اتنے حصے پر لگی ہوئی ہے، لیکن اس کا متعین مقام معلوم نہیں، تو وہ پورا حصہ ہی دھولیا جائے، اور اگر پورا نہیں دھونا تو پھر تحری کر کے (سوچ بچار کر کے، جس طرف ذہن جھے، اس جگہ کو) دھویا جائے اور اگر بغیر تحری کیے دھولیا، تب بھی پاکی کا ہی حکم ہوگا، ہاں تحری اور بغیر تحری میں فرق یہ ہے کہ تحری کر کے دھویا، پھر متعین مقام معلوم ہو گیا اور واضح ہوا کہ جو دھویا تھا وہ کوئی اور مقام تھا، تو اب اس ظاہر ہونے والے مقام کو دھولے لیکن جو پہلے نمازیں اس کے ساتھ پڑھیں، ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں اگرچہ نجاست اتنی تھی جو مانع نماز ہوتی ہے، جبکہ بغیر تحری کی صورت

میں، اس ظاہر ہونے والے حصے کو دھولے لیکن جتنی نمازیں اس کے ساتھ پڑھیں اور نجاست اتنی تھی جو مانع نماز ہے، تو وہ نمازیں دوبارہ ادا کرنا ہوں گی۔

در مختار میں ہے " (وغسل طرف ثوب) أو بدن (أصابت نجاسة محلا منه ونسي) المحل (مطهر له وإن) وقع الغسل (بغير تحر) وهو المختار. " ترجمہ: کپڑے یا بدن کے کسی حصے پر نجاست لگی اور نجاست کے مقام کو بھول گیا، پھر اس کے کسی بھی حصے کو دھولیا تو اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا اگرچہ بغیر تحری کے دھویا ہو اور یہی مختار ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے " وعللوا القول المختار بوقوع الشك بعد الغسل في بقاء النجاسة " ترجمہ: اور قول مختار کی علت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ اس طرح دھونے کے بعد نجاست کے باقی رہنے میں شک واقع ہو گیا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ص 586، 587، كوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے " کپڑے کا کوئی حصہ ناپاک ہو گیا اور یہ یاد نہیں کہ وہ کون سی جگہ ہے، تو بہتر یہی ہے کہ پورا ہی دھو ڈالیں (یعنی جب بالکل نہ معلوم ہو کہ کس حصہ میں ناپاکی لگی ہے اور اگر معلوم ہے کہ مثلاً آستین یا کلی نجس ہو گئی مگر یہ نہیں معلوم کہ آستین یا کلی کا کون سا حصہ ہے تو آستین یا کلی کا دھونا ہی پورے کپڑے کا دھونا ہے) اور اگر انداز سے سوچ کر اس کا کوئی حصہ دھولے جب بھی پاک ہو جائے گا اور جو بلا سوچے ہوئے کوئی ٹکڑا دھولیا جب بھی پاک ہے مگر اس صورت میں اگر چند نمازیں پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ نجس حصہ نہیں دھویا گیا تو پھر دھوئے اور نمازوں کا اعادہ کرے اور جو سوچ کر دھولیا تھا اور بعد کو غلطی معلوم ہوئی تو اب دھولے اور نمازوں کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ " (بہار شریعت، ج 01، حصہ 02، ص 400، مکتبۃ المدینہ)

(ب) کسی قلعے میں تمام کافر حربی ہوں، ان میں صرف ایک ذمی ہو، لیکن معلوم نہ ہو کہ ذمی کون ہے؟ تو کسی کو بھی قتل کرنا، جائز نہیں، پھر وہاں سے کوئی ایک شخص باہر نکل گیا یا ایک کو قتل کر دیا گیا تو اب بقیہ کو قتل کرنا درست ہو گیا کہ یقینی حرمت ختم ہو گئی۔

فتح القدیر میں ہے: " فی السیر الکبیر: اذا فتحنا حصنا و فیہم ذمی لا یعرف لا یجوز قتلہم لقیام المانع بیقین فلو قتل البعض او اخرج حل قتل الباقي للشك فی قیام المحرم " ترجمہ: سیر

کبیر میں ہے: جب ہم کوئی قلعہ فتح کریں اور اس میں کوئی نامعلوم ذمی بھی ہو، تو یقینی طور پر مانع کے پائے جانے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا، جائز نہیں۔ پس اگر کسی کو قتل کر دیا گیا یا وہاں سے نکال دیا گیا، تو مانع کے موجود رہنے میں شک آگیا، لہذا باقیوں کو قتل کرنا، جائز ہے۔ (فتح القدیر کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 192، کوئٹہ)

(ج) گندم کا ڈھیر یقینی طور پر ناپاک تھا لیکن نجاست کس حصہ میں ہے یہ یاد نہ رہا، پھر اس میں سے کچھ حصہ کسی کودے دیا، تو ناپاکی کا حکم ختم ہو جائے گا کہ اب ہر حصے میں نجاست کا ہونا مشکوک ہو گیا، لہذا سابقہ یقین ختم ہو گیا اور شک سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔

ردالمحتار میں ناپاک چیزوں کو پاک کرنے کے طریقے بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وقسمۃ مثلی"

ترجمہ: اور مثلی چیز کو تقسیم کر دینا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار باب الانجاس، ج 01، ص 568، کوئٹہ)

## (2) تاعدہ:

"من شک هل فعل شیئاً لا؟ فلم یفعل" ترجمہ: جسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو تو یہ قرار دیا جائے گا کہ اس نے وہ کام نہیں کیا۔

(الف) طلاق دینے نہ دینے میں شک ہو تو اس سے طلاق ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ نکاح کا ہونا یقینی ہے تو اصل یہ ہے کہ وہ باقی ہے، جب تک کہ اس کو توڑنے والی چیز ثابت نہیں ہو جاتی۔

(ب) اسی طرح اگر طلاق دینا تو یقینی ہے لیکن تعداد میں شک ہے تو جو کم ہے وہ ثابت ہوگی کہ وہ یقینی ہے اور زائد مشکوک، ہاں اگر زائد کے بارے میں یقین یا ظن غالب ہو جائے تو جتنی کے متعلق یقین یا ظن غالب ہوا، وہ تعداد ثابت ہو جائے گی۔

(ج) اور اگر شوہر کے خیال میں زیادہ طلاقیں ہیں، مگر اس مجلس میں جو لوگ تھے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دی تھی، اگر یہ لوگ عادل ہوں اور اس بات میں انھیں سچا جانتا ہو تو اعتبار کر لے۔

(د) یہ معلوم ہے کہ حلف اٹھایا تھا لیکن یہ نہیں معلوم کہ کس چیز کا حلف تھا، طلاق کا یا غیر طلاق کا، تو وہ لغو ہے، اس سے طلاق کا حلف ثابت نہ ہوگا۔

کشف الاسرار میں ہے: "و کذا اذا تبین بالنکاح ثم شک فی الطلاق لایزول النکاح بما حدث من الشک" ترجمہ: اور اسی طرح جب نکاح کرنے کا یقین ہو پھر طلاق دینے میں شک ہو تو جو شک پیدا ہوا ہے،

اس کی وجہ سے نکاح زائل نہ ہوگا۔

(کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، ج 03، ص 665، مطبوعہ کراچی)

در مختار میں ہے: "علم أنه حلف ولم یدر بطلاق أو غیره لغا کما لو شک أطلق أم لا ولو شک أطلق واحدة أو اکثر بنی علی الأقل" ترجمہ: یہ معلوم ہے کہ حلف اٹھایا ہے اور یہ یاد نہیں کہ حلف طلاق کا ہے یا غیر طلاق کا، تو لغو ہے، جیسے طلاق دینے یا نہ دینے میں شک پائے جانے کی صورت میں ہوتا ہے اور اگر اس بات میں شک ہے کہ ایک طلاق دی ہے یا زیادہ، تو جو کم ہے، اسے اختیار کیا جائے گا۔

اس کے تحت ردالمختار میں ہے: "(قوله بنی علی الأقل) أي کما ذکرہ الإسیجانی، إلا أن یستیقن بالأكثر أو یکون أكبر ظنه... وفي الأشباه أيضا: وإن قال عزمتم علی أنه ثلاث یترکها وإن أخبره عدول حضروا ذلک المجلس بأنها واحدة وصدقهم أخذ بقولهم" ترجمہ: (مصنف کا قول: جو کم ہے، اسے اختیار کیا جائے گا) یعنی جیسا کہ علامہ اسیجانی رحمہ اللہ علیہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اگر زیادہ کا یقین یا ظن غالب ہو، تو زیادہ کا اعتبار ہوگا۔ اور اشباہ میں یہ بھی ہے: اور اگر کہے: مجھے پکا یاد ہے کہ تین طلاقیں ہیں، تو عورت کو چھوڑ دے اور اگر اس مجلس میں موجود عادل افراد نے اسے خبر دی کہ: "اس نے ایک طلاق دی ہے" اور وہ انھیں سچا جانتا ہے تو ان کے قول پر عمل کر سکتا ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق، ج 04، ص 496، کوئٹہ)

(ہ) کوئی شخص نیند سے بیدار ہوا، اس کے متعلق چھ صورتیں ہیں:

اول: تری کپڑے یا بدن کسی پر نہ دیکھی۔

دوم: دیکھی اور یقین ہے کہ یہ منی یا منی نہیں بلکہ ودی یا پیشاب یا پسینہ یا کچھ اور ہے، ان دونوں صورتوں

میں مطلقاً جماعاً غسل اصلاً نہیں اگرچہ خواب میں جماع اور اس کی لذت اور انزال تک یاد ہو۔

در مختار میں ہے: "(لا) یفترض (إن تذکر ولو مع اللذة) والینزال (ولم یر) علی رأس الذکر

(بدلاً) إجماعاً" ترجمہ: اگر احتلام یاد ہوا اگرچہ لذت اور انزال کے ساتھ، اور شرمگاہ پر تری نہیں پائی تو

بالاجماع غسل فرض نہیں۔

اس کے تحت ردالمختار میں ہے: "(قوله: ولو مع اللذة والینزال) أي مع تذکرهما، وليس المراد



أنه أنزل؛ لأن الموضوع أنه لم ير بلا ط. "ترجمہ: (مصنف کا قول: اگرچہ لذت اور انزال کے ساتھ) یعنی یہ دونوں چیزیں بھی یاد ہوں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اسے انزال ہوا ہے، کیونکہ موضوع بحث یہ ہے کہ اس نے تری نہیں پائی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطہارۃ، سنن الغسل، ج 01، ص 333، کوئٹہ)

منحة الخالق میں ہے: "ولا يجب اتفاقا فيما إذا علم أنه ودي مطلقا" ترجمہ: اور جب ودي ہونے کا معلوم ہو تو بالا اتفاق مطلقا غسل واجب نہیں۔

(منحة الخالق مع البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، موجبات الغسل، ج 01، ص 104، کوئٹہ)

سوم: ثابت ہو کہ یہ تری منی ہے، اس میں بالا اتفاق نہانا واجب ہے، اگرچہ خواب وغیرہ اصلا یاد نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "فيجب الغسل اتفاقا۔ اذا علم انه۔۔ مني مطلقا" ترجمہ: جب تری کا منی ہونا معلوم ہو تو بالا اتفاق مطلقا غسل واجب ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطہارۃ، سنن الغسل، ج 01، ص 331، کوئٹہ)

اب تین صورتیں ہیں:

(۴) اس تری کے منی ہونے کا احتمال ہو

(۵) مذی ہونے کا علم ہو

(۶) منی نہ ہونا تو معلوم مگر مذی ہونے کا احتمال ہو۔

ان کے متعلق درج ذیل تفصیل ہے:

(الف) اگر خواب میں احتلام ہونا یاد ہے تو ان تینوں صورتوں میں بھی بالا اتفاق نہانا واجب ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "فيجب الغسل اتفاقا فيما إذا تيقن أنه مني وتذكر الاحتلام أو لا وفيما إذا تيقن أنه مني وتذكر الاحتلام أو شك أنه مني أو مني أو ودي أو مني أو ودي أو مني وتذكر الاحتلام في الكل" ترجمہ: جب تری کے منی ہونے کا یقین ہو تو احتلام یاد ہو یا نہ یاد ہو، بالا اتفاق غسل واجب ہے۔ اور جب تری کے مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو یا تری کے متعلق شک ہو کہ وہ منی ہے یا مذی ہے یا منی یا ودي ہے یا مذی یا ودي ہے اور احتلام ہونا یاد ہو تو ان تمام صورتوں میں غسل واجب ہے۔

(البحر الرائق، موجبات الغسل، ج 01، ص 105، کوئٹہ)

(ب) اور اگر احتلام یاد نہیں، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں اصلاً غسل نہیں۔

بحر الرائق میں ہے: "ویجب الغسل عندهما لا عند أبي يوسف فيما إذا شك أنه مني أو مذی أو منی أو وودی ولم يتذكر الاحتلام فيهما" ترجمہ: جب تری کے متعلق شک ہو کہ وہ منی ہے یا مذی ہے یا منی یا وودی ہے اور احتلام ہونا یاد نہیں تو امام اعظم ابو حنیفہ و امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک غسل واجب ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے۔

(البحر الرائق، موجبات الغسل، ج 01، ص 105، کوئٹہ)

فتح القدير میں ہے: "إذا استيقظ فوجد على فراشه مذيا حيث كان عليه الغسل إن تذكر الاحتلام بالإجماع، وإن لم يتذكر فعند أبي حنيفة ومحمد يجب." ترجمہ: جب کوئی نیند سے جاگا، تو اس نے اپنے بستر پر مذی کو پایا، جہاں وہ سویا تھا تو اس پر غسل کرنا بالا جماع واجب ہے جبکہ احتلام یاد ہو اور اگر احتلام یاد نہ ہو تو امام اعظم و امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک واجب ہے۔

(فتح القدين، فصل في الغسل، ج 01، ص 66، کوئٹہ)

(ج) آخری یعنی چھٹی صورت میں طرفین (یعنی حضرت سیدنا امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہیں۔ یعنی جہاں نہ منی کا احتمال، نہ مذی کا یقین بلکہ مذی کا احتمال ہے، اور احتلام یاد نہیں تو بالاتفاق غسل واجب نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "ولا يجب اتفاقا فيما إذا علم أنه ودي مطلقا، وفيما إذا... شك في الأخيرين (ای المذی والودی) مع عدم تذكر الاحتلام" ترجمہ: اور جب وودی ہونا معلوم ہو تو بالاتفاق مطلقاً غسل واجب نہیں، اور جب اخیرین یعنی مذی اور وودی ہونے میں شک ہو اور احتلام ہونا یاد نہ ہو، تو اس صورت میں بھی بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، سنن الغسل، ج 01، ص 331، کوئٹہ)

(د) اور پہلی یعنی چوتھی صورت میں کہ منی کا احتمال ہو، خواہ یوں کہ منی و مذی محتمل ہوں یا منی و وودی یا تینوں (اور وودی سے مراد ہر وہ تری کہ منی و مذی کے سوا ہو) ان سب صورتوں میں طرفین (یعنی حضرت سیدنا امام

اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما) باتفاق روایات، غسل واجب فرماتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "يجب عندهما فيما اذا شك في الاولين (ای المنی والمذی) اوفی الطرفین (ای المنی والودی) اوفی الثلثة احتیاطاً ولا یجب عندابی یوسف للشک فی وجود الموجب" ترجمہ: جب پہلی دو یعنی منی اور مذی یا طرفین یعنی منی اور وودی یا تینوں کے متعلق شک ہو تو امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک غسل واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک غسل واجب کرنے والے سبب کے پائے جانے میں شک کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوگا۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 331، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "اور شکل اول یعنی چہارم میں کہ منی کا احتمال ہو خواہ یوں کہ منی و مذی محتمل ہوں یا منی و وودی یا تینوں (اور وودی سے مراد ہر وہ تری کہ منی و مذی کے سوا ہو) ان سب صورتوں میں دونوں حضرات باتفاق روایات غسل واجب فرماتے ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج 1-ب، ص 631، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(د) لیکن جہاں منی کے ساتھ مذی کا احتمال نہ ہو، صرف وودی کا شبہ ہو، وجوب مطلق ہے اور جہاں مذی کا بھی شک ہو اُس میں ایک صورت کا استثنا ہے، وہ یہ کہ اگر سونے سے کچھ پہلے اسے شہوت تھی، ذکر (یعنی عضو خاص) قائم تھا، اب جاگ کر تری دیکھی، جس کا مذی ہونا محتمل ہے اور احتلام یاد نہیں تو اسے مذی ہی قرار دیں گے، غسل واجب نہ کریں گے، جب تک اس کے منی ہونے کا ظن غالب نہ ہو اور اگر ایسا نہ تھا یعنی نیند سے پہلے شہوت ہی نہ تھی یا تھی اور اُسے بہت دیر گزر گئی، مذی جو اس سے نکلنی تھی نکل کر صاف ہو چکی، اس کے بعد سویا اور مذکورہ تری پائی جس کا منی و مذی ہونا مشکوک ہے تو بدستور صرف اسی احتمال پر غسل واجب کر دیں گے۔ منی کے غالب ظن کی ضرورت نہ جائیں گے۔

ردالمحتار میں ہے: "وإن استیقظ فوجد في إحليله بللا ولم يتذكر حلما، إن كان ذكره منتشرا قبل النوم فلا غسل عليه، وإن كان ساكنا فعليه الغسل، -- وهذا مذکور فی المحيط والذخيرة. وقال شمس الأئمة الحلواني هذه مسألة يكثر وقوعها والناس عنها غافلون. اهـ. والحاصل أن الانتشار قبل النوم سبب لخروج المذي، فما يراه يحمل عليه ما لم يتذكر حلما" ترجمہ: اگر کوئی نیند سے جاگا، پس اس نے اپنی شرمگاہ کے سرے پر تری پائی اور احتلام ہونا یاد نہیں، اگر سونے

سے پہلے آگے قائم تھا تو اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر سونے سے پہلے آگے بیٹھ چکا تھا، تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔ یہ محیط اور ذخیرہ میں مذکور ہے۔ امام شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ مسئلہ بہت زیادہ پیش آتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔“ حاصل کلام یہ ہے کہ: سونے سے پہلے شہوت کا ہونا مذی نکلنے کا سبب ہے۔ لہذا جو تری نظر آئے گی وہ مذی ہی قرار دی جائے گی، جب تک احتلام ہونا یاد نہ ہو۔

(رد المحتار مع الدر المختار سنن الغسل، ج 01، ص 333، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”لیکن جہاں منی کے ساتھ مذی کا احتمال نہ ہو صرف ودی کا شبہ ہو و جو ب مطلق ہے اور جہاں مذی کا بھی شک ہو اس میں ایک صورت کا استثناء، وہ یہ کہ اگر سونے سے کچھ پہلے اسے شہوت تھی ذکر قائم تھا اب جاگ کر تری دیکھی جس کا مذی ہونا محتمل ہے اور احتلام یاد نہیں تو اسے مذی ہی قرار دیں گے غسل واجب نہ کریں گے جب تک اس کے منی ہونے کا ظن غالب نہ ہو اور اگر ایسا نہ تھا یعنی نیند سے پہلے شہوت ہی نہ تھی یا تھی اور اسے بہت دیر گزر گئی۔ مذی جو اس سے نکلنی تھی نکل کر صاف ہو چکی اس کے بعد سو یا اور تری مذکور پائی جس کا منی و مذی ہونا مشکوک ہے تو بدستور صرف اسی احتمال پر غسل واجب کر دیں گے منی کے غالب ظن کی ضرورت نہ جائیں گے۔“

(فتاویٰ رضویہ، ج 1-ب، ص 631، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(و) اب رہی دوسری یعنی پانچویں صورت کہ مذی کا یقین ہو، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی، جو تھی صورت کی طرح ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، طرفین غسل واجب فرماتے ہیں اور امام ابو یوسف واجب نہیں فرماتے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مجمع الاخر میں ہے: ”(و) فرض (لرؤية مستيقظ لم يتذكر الاحتلام بدلا ولو مذيا) عند الطرفين (خلافه) أي لأبي يوسف له أن الأصل براءة الذمة فلا يجب إلا بيقين وهو القياس، ولهما أن النائم غافل، والمنى قد يرق بالهواء فيصير مثل المذي فيجب عليه احتياطاً، والمرأة مثل الرجل في الأصح“ ترجمہ: نیند سے بیدار ہو کر تری دیکھے اور احتلام یاد نہ ہو تو، امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک غسل فرض ہے، اگرچہ وہ مذی ہو۔ اس میں امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذمہ سے بری ہونا ہے پس غسل فرض نہیں ہوگا، جب تک یقین نہ ہوگا۔ اور یہ قیاس ہے۔ جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سونے والا غافل ہے اور منی کبھی ہوا کے ساتھ تپلی ہو کر

مذی کی مثل ہو جاتی ہے، پس اس پر احتیاطاً غسل واجب ہے۔ عورت اس معاملے میں مرد ہی کی طرح ہے، اصح قول کے مطابق۔ (مجمع الانہر کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 39، کوئٹہ)

(و) حج کے کسی رکن میں شک ہو تو اس کو نئے سرے سے ادا کرے۔

بحر الرائق میں ہے: "لو شك في أركان الحج ذكر الجصاص أنه يتحري كما في الصلاة وقال عامة مشايخنا يؤدي ثانياً لأن تكرار الركن والزيادة عليه لا تفسد الحج وزيادة الركعة تفسد الصلاة فكان التحري في باب الصلاة أحوط كذا في المحيط۔" ترجمہ: اگر کسی کو ارکان حج میں شک ہو جائے تو امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ وہ تحری (سوچ بچار) کرے جیسا کہ نماز میں کرتا ہے اور عامہ مشائخ نے فرمایا: دوبارہ ادا کرے، کیونکہ رکن کی تکرار اور زیادت یعنی اضافہ، حج کو فاسد نہیں کرتے جبکہ رکعت کا اضافہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے، پس نماز کے معاملے میں تحری (سوچ بچار) کرنے میں زیادہ احتیاط ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، ج 02، ص 192، کوئٹہ)

(ز) طواف کے چکروں میں شک ہو، اگر وہ فرض یا واجب طواف ہو تو دوبارہ نئے سرے سے طواف کرے اور اگر فرض یا واجب نہ ہو تو غالب گمان پر عمل کرے۔

منہج الخالق میں ہے: "ولو شك في عدد الأشواط في طواف الركن أو العمرة أعاده ولا يبني على غالب ظنه بخلاف الصلاة، وقيل إذا كان يكثر ذلك يتحري" ترجمہ: اور اگر حج کے فرض طواف کے چکروں یا عمرہ کے طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے، تو دوبارہ نئے سرے سے کرے اور اپنے غالب گمان پر بناء نہ کرے، برخلاف نماز کے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اگر اسے کثرت سے شک ہوتا ہو تو پھر وہ تحری (سوچ بچار) کرے۔ (منہج الخالق مع بحر الرائق، کتاب الحج، باب الاحرام، ج 02، ص 580، کوئٹہ)

رد المحتار میں ہے: "في لباب المناسك: ولو شك في عدد الأشواط في طواف الركن أعاده، ولا يبني على غالب ظنه بخلاف الصلاة وقيل إذا كان يكثر ذلك يتحري اهد وما جزم به في اللباب عزاه في البحر إلى عامة المشايخ" ترجمہ: لباب المناسك میں ہے: اور اگر فرض طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو اسے دوبارہ نئے سرے سے کرے اور اپنے غالب گمان پر بناء نہ کرے

بخلاف نماز کے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اگر اسے کثرت سے شک ہوتا ہو تو پھر وہ تحری (سوچ بچار) کرے۔ اور جس پر لباب میں اعتماد کیا ہے اس کو بحر میں عامہ مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار ج 02، ص 680، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "قال شارحہ ومفہومہ أنه لو شك في أشواط غير الركن لا يعيده بل يبني على غلبة ظنه لأن غير الفرض على التوسعة والظاهر أن الواجب في حكم الركن لأنه فرض عملي. اهـ." ترجمہ: اس کے شارح نے فرمایا: اور اس مسئلے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فرض طواف کے علاوہ کسی اور طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو تو نئے سرے سے نہ کرے بلکہ غالب گمان پر بنیاد رکھے کیونکہ غیر فرض کا معاملہ وسعت پر مبنی ہوتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ واجب طواف، فرض طواف کے حکم میں ہے کیونکہ واجب، فرض عملی ہوتا ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار ج 03، ص 582، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "طواف کے پھیروں میں شک واقع ہوا کہ کتنے ہوئے تو اگر طواف فرض یا واجب ہے تو اب سے سات پھیرے کرے اور اگر کسی ایک عادل شخص نے بتا دیا کہ اتنے پھیرے ہوئے تو اس کے قول پر عمل کر لینا بہتر ہے اور دو عادل نے بتایا تو ان کے کہے پر ضرور عمل کرے اور اگر طواف فرض یا واجب نہیں ہے تو غالب گمان پر عمل کرے۔"

(بہار شریعت، ج 01، حصہ 06، ص 1100، مکتبہ المدینہ)

(ح) نماز کے دوران شک ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہی یا نہیں، تو اگر یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے تو نماز دوبارہ شروع کرے ورنہ جاری رکھے۔

فتح القدیر اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ولو علم أنه أدى ركنا وشك أنه كبر للافتتاح أو لا أو هل أحدث أو لا أو هل أصابت النجاسة ثوبه أو لا أو مسح رأسه أم لا استقبل إن كان أول مرة وإلا مضى ولا يلزم الوضوء ولا غسل ثوبه، كذا في فتح القدير" ترجمہ: اور اگر یہ معلوم ہو کہ رکن ادا کیا ہے اور شک ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں؟ حدث ہوا ہے یا نہیں؟ کپڑوں پر نجاست لگی ہے یا نہیں؟ سر کا مسح کیا ہے یا نہیں؟ اگر زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے تو نئے سرے سے شروع کرے، ورنہ جاری رکھے اور وضو لازم نہیں ہوگا ورنہ کپڑوں کو دھونا ضروری ہوگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السہو، جلد 01، صفحہ 131، کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے: "(قوله شك هل كبر الخ) أي شك في صلاته ذخيرة وغيرها. وظاهره أن الشك في جميع هذه المسائل وقع في الصلاة، ويدل عليه قول الذخيرة في آخر العبارة: إن كان ذلك أول مرة استقبل الصلاة وإلا جاز له المضي، ولا يلزمه الوضوء ولا غسل الثوب اهـ تأمل. ويخالفه ما في الخلاصة حيث قال: شك في بعض وضوئه وهو أول شك غسل ما شك فيه، وإن وقع له كثير لم يلتفت إليه؛ وهذا إذا شك في خلال وضوئه، فلو بعد الفراغ منه لم يلتفت إليه اهـ لكن سئل العلامة قاسم في فتاويه عن شك وهو في صلاته أنه على وضوء أم لا؟ فأجاب بأنه إن كان أول ما عرض له أعاد الوضوء والصلاة وإلا مضى في صلاته." ترجمہ: (مصنف نے فرمایا: شك ہوا کہ تکبیر کہی ہے یا نہیں الخ۔۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں شك ہوا۔ ذخیرہ وغیرہ۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ: ان تمام مسائل میں شك، نماز کی حالت میں واقع ہوا اور اس پر دلالت کرتا ہے، اس عبارت کے آخر میں موجود ذخیرہ کا یہ قول: "اگر یہ زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہو تو نماز دوبارہ پڑھے ورنہ اس کے لیے نماز جاری رکھنا جائز ہے۔ اور اس پر وضو کرنا لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی کپڑے دھونا لازم ہوگا۔" غور کرو اور خلاصہ میں اس کے خلاف ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اگر دوران وضو شك ہوا اور یہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہے تو جس رکن کے متعلق شك ہوا ہے اس کو دھولے اور اگر اسے اکثر شك ہوتا رہتا ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کرے۔" اور یہ بھی جب ہے کہ دوران وضو شك ہوا ہو پس اگر وضو کرنے کے بعد شك واقع ہوا تو بالکل قابل توجہ نہیں۔ لیکن علامہ قاسم سے ان کے فتاویٰ میں سوال پوچھا گیا اس شخص کے متعلق جس کو دوران نماز شك واقع ہوا کہ اس کا وضو ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اگر زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے تو وضو اور نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز جاری رکھے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، ج 02، ص 679-680، کوئٹہ)

(و) اگر شك ہوا کہ جو تکبیر کہی ہے وہ تکبیر تحریمہ کہی یا تکبیر قنوت، تو اس کی نماز ہی شروع نہیں ہوئی کیونکہ تکبیر تحریمہ کے لیے تکبیر کو بنیت تحریمہ کہنا ضروری ہے اور یہاں اسے تحریمہ کی نیت کا علم ہی نہیں تو تکبیر تحریمہ نہیں ہو سکتی اور جب تکبیر تحریمہ نہیں ہوئی تو نماز ہی شروع نہیں ہوئی۔

فتح القدیر میں ہے: "لو شك أن هذه تكبيرة الافتتاح أو القنوت فإنه لا يصير شارعا لأنه لم يثبت له شروع بعد ليجعل للقنوت ولا يعلم أنه نوى ليكون للافتتاح" ترجمہ: اگر کسی کو شك

ہو کہ یہ تکبیر، تکبیر تحریمہ ہے یا تکبیر قنوت؟ تو اس کی نماز شروع نہیں ہوگی۔ کیونکہ ابھی تک نماز شروع کرنا ثابت نہیں ہوا کہ اسے تکبیر قنوت قرار دیا جائے اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ اس نے نیت کی ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ شمار ہو۔

(فتح القدین باب سجود السہو ج 01، ص 533، کوئٹہ)

(ز) نماز کا وقت باقی ہے اور شک ہو گیا کہ ادا کی یا نہیں تو دوبارہ ادا کرے کہ جب سبب وجوب موجود ہے تو اس کا لزوم یقینی ہے اور بری الذمہ ہونے میں شک ہے اور شک سے براءت ذمہ ثابت نہیں ہوتی۔

(ح) اسی طرح زکوٰۃ کا معاملہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی یا نہیں، شک آگیا تو ادائیگی کرے اور اس میں تو وقت کا بھی لحاظ نہیں کیونکہ اس کی قضاء نہیں ہوتی بلکہ پوری عمر اس کا وقت ہے۔

(ط) اسی طرح اگر یہ شک ہو کہ زکوٰۃ مکمل ادا کر دی یا نہیں، تو جتنی میں شک ہے وہ ادا کرے۔

(ی) صدقہ فطر بھی زکوٰۃ کی طرح ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا کہ ادائیگی میں شک ہے تو اب ادا کرے۔

(ک) پورا ادا کرنے میں شک ہے تو جتنی مقدار میں شک ہے وہ ادا کرے۔

(ل) اسی طرح عشر کے معاملے میں ہو گا کہ ادائیگی میں شک ہے تو اب ادا کرے۔

(م) مکمل ادائیگی کی یا نہیں، اس میں شک ہے تو جتنی مقدار میں شک ہے، وہ ادا کرے۔

(ن) یہی معاملہ حج کا ہے کہ حج فرض کی ادائیگی میں شک ہو تو اسے ادا کرے۔

بحر الرائق میں ہے: "وفي الواقعات: ولو شك رجل في الزكاة فلم يدرك في أم لا فإنه يعيد، فرق بين هذا وبين ما إذا شك في الصلاة بعد ذهاب الوقت أصلاً أم لا، والفرق أن العمر كله وقت لأداء الزكاة فصار هذا بمنزلة شك وقع في أداء الصلاة أنه أدى أم لا، وهو في وقتها ولو كان كذلك يعيدها. ووقعت حادثة هي أن من شك هل أدى جميع ما عليه من الزكاة أم لا بأن كان يؤدي متفرقا، ولا يضبطه هل يلزمه إعادتها ومقتضى ما ذكرنا لزوم الإعادة حيث لم يغلب على ظنه دفع قدر معين؛ لأنه ثابت في ذمته بيقين فلا يخرج عن العهدة بالشك." ترجمہ: اور واقعات میں ہے: اور اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے معاملے میں شک ہو کہ زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ تو وہ دوبارہ ادا کرے۔ اس مسئلے میں اور جب نماز کا وقت گزرنے کے بعد شک ہو کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ "تمام عمر زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت ہے، پس یہ ایسے ہی ہو گیا، جیسے



نماز کے وقت میں شک واقع ہوا کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں نماز کا بھی اعادہ لازم ہوتا ہے اور یہ نیا مسئلہ پیش آیا ہے کہ کسی نے مختلف اوقات میں زکاۃ ادا کی تھی اور اس کو یاد نہیں رہا کہ اس پر جتنی زکوٰۃ بنتی تھی اس نے اتنی ادا کی ہے یا نہیں تو کیا اس صورت میں اس کو دوبارہ ادا کرنا لازم ہے؟ تو جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ: اگر کسی معین مقدار کی ادائیگی کا غالب گمان نہ ہو تو اس پر دوبارہ ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اس کے ذمہ پر یقینی طور پر ثابت ہے، لہذا یہ شک کے ساتھ اس عہدہ سے بری نہیں ہو سکتا۔

(البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، ج 02، ص 371، کوئٹہ)

غمز عیون البصائر میں بھی ایسا ہی ہے۔ (غمز عیون البصائر، کتاب الزکاۃ، ج 02، ص 55، بیروت)

فتح القدر میں ہے: "إذا شك هل زكى أو لا يجب عليه أن يزكى، بخلاف ما لو شك أنه صلى أم لا بعد الوقت لا يعيد لأن وقت الزكاة العمر، فالشك حينئذ فيها كالشك في الصلاة في الوقت، والشك في الحج مثله في الزكاة." ترجمہ: جب کسی کو شک ہوا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ تو اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے، برخلاف اس کے کہ نماز کا وقت گزرنے کے بعد اگر شک ہوا کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ تو دوبارہ نہیں پڑھے گا کیونکہ زکوٰۃ کا وقت پوری عمر ہے، پس اس میں شک ایسے ہی ہے جیسے نماز کے وقت میں نماز کی ادائیگی کے متعلق شک ہو اور حج کی ادائیگی میں شک، زکاۃ میں شک کی طرح ہے۔

(فتح القدر، کتاب الزکاۃ، ج 02، ص 166، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف) وفي كل حال (إلا في) جواز (الدفع إلى الذمي) وعدم سقوطها بهلاك المال" ترجمہ: اور صدقہ فطر، مصارف اور تمام حالات میں زکوٰۃ کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔

(الدر المختار مع رد المحتار، باب صدقة الفطر، ج 03، ص 379، کوئٹہ)

بنیہ میں ہے: "ولأن العشر صدقة كالزكاة" ترجمہ: اور کیونکہ عشر، زکوٰۃ کی طرح کا صدقہ ہے۔

(البنایہ شرح الہدایۃ، باب الزکاۃ فی الخضروات، ج 03، ص 495، کوئٹہ)

(ن) کس چیز کی منت مانی تھی، اس کے متعلق شک ہے کہ نماز کی تھی، روزے کی تھی یا غلام آزاد کرنے

وغیرہ کی، تو ایسی صورت میں اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "شک في المنذور هل هو صلاة أم صيام، أو عتق، أو صدقة ينبغي أن تلزمه كفارة يمين أخذاً من قولهم: لو قال: علي نذر فعليه كفارة يمين؛ لأن الشك في المنذور كعدم تسميته" ترجمہ: جس چیز کی منت مانی تھی، اس میں شک ہوا کہ آیا وہ نماز تھی، روزہ تھا یا غلام آزاد کرنا تھا یا صدقہ دینا تھا؟ مناسب یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو، فقہاء کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہوئے کہ اگر کسی نے کہا: "مجھ پر نذر ہے" تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ کیونکہ جس چیز کی منت مانی، اس میں شک، اسے معین نہ کرنے کی طرح ہے۔ (الاشباہ والنظائر، صفحہ 65، مطبوعہ کراچی)

(س) اتنا یاد ہے کہ حلف اٹھایا تھا اور فلاں شرط پر معلق کیا تھا، لیکن یہ یاد نہیں کہ کس چیز کا حلف تھا، اللہ تعالیٰ کے نام کا تھا یا طلاق کا یا غلام آزاد کرنے کا، تو اگر یہ شخص مسلمان ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے نام کے حلف پر محمول کیا جائے گا، لہذا ٹوٹنے کی صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "وفي اليتيمة إذا كان يعرف أنه حلف معلقاً بالشرط ويعرف الشرط، وهو دخول الدار ونحوه إلا أنه لا يدري إذا كان بالله أم كان بالطلاق فلو وجد الشرط ماذا يجب عليه قال: يحتمل على اليمين بالله تعالى إن كان الحالف مسلماً" ترجمہ: اور یتیمہ میں ہے: جب یہ جانتا ہو کہ اس نے حلف کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے اور شرط بھی جانتا ہو کہ وہ گھر میں داخل ہونا وغیرہ ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ حلف اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تھا یا طلاق کا تھا، پس اگر شرط پائی گئی تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ فرمایا: اگر حلف اٹھانے والا مسلمان ہو تو حلف کو اللہ تعالیٰ کے نام کے حلف پر محمول کیا جائے گا۔

(الاشباہ والنظائر، ص 65، مطبوعہ کراچی)

(ع) کسی کو اتنا یاد ہے کہ میں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ: "جس عورت سے بھی نکاح کروں، اسے طلاق ہے۔" لیکن یہ یاد نہیں کہ حلف اٹھاتے وقت بالغ تھا یا نابالغ، تو ایسی صورت میں اس کا حلف درست نہیں، لہذا نکاح کی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

التحقیق الباہر میں ہے: "في الخانية: رجل يعلم انه حلف بطلاق كل امرأة يتزوجها، ولا يدري انه كان بالغاً وقت اليمين اولم يكن، تزوج امرأة، لا يحنث، لانه شك في صحة اليمين، فلا يحنث بالشك" ترجمہ: خانیہ میں ہے: ایک شخص کو یہ معلوم ہے کہ اس نے حلف اٹھایا تھا

کہ: ”جس عورت سے بھی نکاح کرے اسے طلاق“ اور یہ معلوم نہیں کہ حلف کے وقت بالغ تھا یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو حانثہ نہ ہوگا کیونکہ حلف کی صحت میں شک ہے، پس وہ شک کے ساتھ حانثہ نہ ہوگا۔

(التحقیق الباہر، ص 249، مخطوطہ)

(3) تاعدہ:

”الاصل: العدم“ (اصل عدم یعنی نہ ہونا ہے)

(الف) چاند گہن کی نماز کی جماعت نہیں ہے کیونکہ اصل جماعت کا نہ ہونا ہے، اور اس اصل کے خلاف کوئی تصریح احادیث میں موجود نہیں لہذا یہ اصل باقی رہے گی۔

ہدایہ میں ہے: ”(ولیس فی خسوف القمر جماعة)“ ترجمہ: چاند گہن کی نماز میں جماعت نہیں

ہے۔

اس کے تحت فتح القدر میں ہے: ”والأصل عدمها حتی یثبت التصریح بہ“ ترجمہ: اور اصل جماعت کا نہ ہونا ہے یہاں تک کہ جماعت ہونے کی تصریح ثابت ہو جائے۔

(فتح القدیر، باب صلاة الکسوف، ج 02، ص 90، کوئٹہ)

(ب) کوئی عورت رات کو عشاء کے وقت میں حیض کی حالت میں سوئی اور عشاء کا وقت نکلنے کے بعد اٹھی اور اس وقت حیض ختم ہو چکا تھا تو اس صورت میں عشاء کی نماز کی قضاء اس کے ذمہ ہوگی کیونکہ خون کا بند ہونا، یہ عدم ہے اور عدم اصل ہے، جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو، وہی ثابت ہوتا ہے اور یہاں نیند کی حالت میں خون کا آنا معلوم نہیں، تو یہی کہا جائے گا کہ نیند کی حالت میں خون بند ہو چکا تھا اور نیند آئی عشاء کے وقت میں تو عشاء کے وقت میں اس کا پاک ہونا ثابت ہو اور اس کو ادا نہیں کیا تو اس کی قضاء لازم ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے: ”ولو نامت حائضا وانتبہت طاهرة بعد الوقت یجب علیہا قضاء تلک الصلاة التي نامت عنها۔۔۔ الا تقطاع عدم وهو الأصل فلا یحکم بخلافه إلا بدلیل ولم یعلم درور الدم فی نومها فجعلت طاهرة منذ نامت“ ترجمہ: اور اگر عورت حیض کی حالت میں سوئی اور نماز کا وقت گزرنے کے بعد پاکی کی حالت میں بیدار ہوئی، (یعنی بیدار ہو کر دیکھا تو پتا چلا کہ خون بند ہو چکا ہے۔) تو جس نماز سے سو گئی تھی اس نماز کی قضا کرنا اس پر واجب ہے۔ کیونکہ خون کا بند ہونا عدم ہے اور وہی اصل

ہے، پس اس کے خلاف بغیر دلیل کے حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور نیند کی حالت میں خون کا آنا معلوم نہیں تو جب سے سوئی ہے اس وقت سے پاک شمار ہوگی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، باب الحيض، ج 01، ص 533، کوئٹہ)

(ج) صفات عارضہ میں عدم اصل ہے اور صفات اصلہ میں وجود اصل ہے، لہذا

اگر کسی نے غلام کو کاتب (لکھنے والا) ہونے کی شرط پر خریدا، بعد میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خریدار کہتا ہے کہ یہ کاتب (لکھنے والا) نہیں ہے۔ اور بیچنے والا کہتا ہے کہ: میں نے جب تمہیں سپرد کیا تھا، اس وقت یہ کاتب (لکھنے والا) ہی تھا، تمہارے پاس آکر بھول گیا ہے اور خریدار کے پاس عرصہ بھی اتنا ہو گیا ہے کہ اس میں بھولنا ممکن ہے، اس کے باوجود خریدار کی بات ہی قبول کی جائے گی اور اسے واپس کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ کاتب (لکھنے والا) ہونا، عارضی صفت ہے اور اس میں اصل عدم یعنی نہ ہونا ہے۔ نیز یہی حکم قبضہ سے پہلے کا ہوگا۔ لہذا قبضہ سے پہلے اس طرح کا اختلاف ہو جائے تو مشتری یعنی خریدار کی بات ہی معتبر ہوگی اور جب تک اس صفت کا ثبوت نہ ہو جائے اس وقت تک خریدار کو غلام پر قبضہ کرنے اور اس کی قیمت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

فتح القدیر میں ہے: "ولو اختلف المشتري والبائع بعد مدة فقال المشتري: لم أجدہ كاتبا وقال البائع سلمته إليك كاتبا ولكنه نسي عندك والمدة تحتل أنه ينسى في مثلها فالقول للمشتري. والأصل في هذا أن القول لمن تمسك بالأصل وأن العدم في الصفات العارضة أصل والوجود في الصفات الأصلية، --- وإن لم يكن قبضه لم يجبر على قبضه ودفع الثمن حتى تعرف هذه الصفة." ترجمہ: اور اگر ایک مدت کے بعد مشتری (خریدار) اور بائع (بیچنے والے) میں اختلاف ہوا۔ مشتری (خریدار) نے کہا: میں نے غلام کو کاتب (لکھنے والا) نہیں پایا۔ بائع (بیچنے والے) نے کہا: میں نے کاتب ہونے کی حالت میں ہی تیرے سپرد کیا تھا لیکن وہ تیرے پاس آکر بھول گیا ہے۔ اور مدت بھی اتنی ہے کہ اس میں بھول جانے کا احتمال ہے، تو مشتری (خریدار) کا قول معتبر ہوگا اور اس میں اصول یہ ہے کہ اس کا قول معتبر ہے، جو اصل سے دلیل پکڑے، اور صفات عارضہ میں عدم (نہ ہونا) اور صفات اصلہ میں وجود (ہونا) اصل ہے۔ --- اور اگر مشتری (خریدار) نے قبضہ نہ کیا ہو، تو اسے غلام پر قبضہ کرنے اور ثمن (قیمت) دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ صفت معلوم ہو جائے۔

(فتح القدیر، کتاب المبیوع، باب خيار الشرط، ج 06، ص 307، کوئٹہ)

(د) کسی نے ایک چیز دیکھی اور اس وقت اس کی خریداری نہیں کی، بلکہ کچھ عرصہ بعد خریداری کی، تو اس کے متعلق درج ذیل تفصیل ہے:

۱: اب اگر وہ اسی پہلی صفت پر ہے جس صفت پر دیکھنے کے وقت تھی تو اسے خیار رویت نہیں ملے گا۔  
۲: اور اگر اس سے بدل چکی ہے تو خیار رویت ملے گا۔

۳: اور اگر تغیر یعنی بدلنے میں بیچنے والے اور خریدار کا اختلاف ہو جائے، خریدار کہے کہ ”پہلی حالت سے بدل چکی ہے“ اور بیچنے والا کہے کہ ”نہیں بدلی“ تو بات بیچنے والے کی معتبر ہوگی، کیونکہ اولاً جب وہ چیز کو دیکھ چکا ہے تو عقد لازم ہونے کا سبب متحقق (ثابت) ہو چکا ہے اور تغیر کا دعویٰ اس کے بعد ہے، تو اب یہ ایسی چیز کا دعویٰ ہے جو دیکھنے کے بعد حادث (پیدا) ہوئی ہے اور ایسی چیز میں اصل اس کا نہ ہونا ہے اور اصل کے مطابق جو قول ہے وہ بیچنے والے کا ہے، پس جب تک گواہوں سے اس کا خلاف ثابت نہیں ہوگا اس وقت تک اصل باقی رہے گی اور بیچنے والے کا قول ہی معتبر رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: "(ومن رأى شيئاً ثم اشتراه بعد مدة، فإن كان على الصفة التي رآه فلا خيار له)۔۔۔ وإن وجدته متغيراً فله الخيار)۔۔۔ وإن اختلفا في التغيير فالقول للبائع لأن التغيير حادث وسبب اللزوم ظاهر" ترجمہ: اور کسی نے کوئی شے دیکھی، پھر کچھ عرصے بعد اسے خرید لیا، پس اگر وہ اسی صفت (حالت) پر ہے، جس پر اس نے دیکھی تھی، تو اس کو خیار رویت نہیں ملے گا اور اگر اس نے اس میں تبدیلی پائی، تو اس کے لیے خیار رویت ہوگا۔ اور اگر تغیر (اس کے بدل جانے) میں بائع و مشتری کا اختلاف ہو گیا تو بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ تغیر، حادث (نو پیدا یعنی بعد میں پائی جانے والی چیز) ہے اور لزوم کا سبب ظاہر ہے۔

اس کے تحت فتح القدير میں ہے: "(فالقول للبائع لأن) دعوى (التغيير) بعد ظهور سبب لزوم العقد وهو رؤية ما يدل على المقصود من البيع دعوى أمر (حادث) بعده والأصل عدمه فلا تقبل إلا ببينة" ترجمہ: پس بائع کا قول معتبر ہے۔ کیونکہ عقد لازم ہونے کے سبب کے ظاہر ہونے (یعنی بیع سے جو مقصود ہے، اس پر دلالت کرنے والی چیز کو دیکھنے) کے بعد، تبدیلی کا دعویٰ، ایسے امر (معاملے) کا دعویٰ ہے، جو اس (بیع کو دیکھنے) کے بعد پیدا ہونے والا ہے اور اصل، اس کا نہ ہونا ہے۔ پس مشتری کا قول بغیر گواہوں کے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(فتح القدير مع الهداية، باب خيار الروية، ج 06، ص 323-324، کوئٹہ)

(۵) کسی نے اپنے غلام سے کہا: "اگر تو آج کے دن گھر میں داخل نہ ہوا، تو تو آزاد ہے" دن گزر گیا، مالک کہتا ہے تو گھر میں داخل ہوا تھا، غلام کہتا ہے نہیں داخل ہوا، تو غلام آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ جب کوئی حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو جب تک اس شرط کا وجود ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک وہ حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصل عدم یعنی شرط کا نہ پایا جانا ہے اور یہاں غلام کا گھر میں داخل نہ ہونا ثابت نہیں ہوا لہذا اس کے ساتھ جو حکم مشروط تھا یعنی آزادی والا، وہ بھی ثابت نہیں ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے: "وما لم يعلم بوجود الشرط لا يحكم بثبوت المشروط وهو صحة الحكم، ولا يكتفي في الحكم بثبوته كونه الأصل لأنه يترتب عليه وجود أمر فلا بد من ثبوت وجوده، ولذا قلنا جميعا فيمن قال لعبدہ إن لم تدخل الدار اليوم فأنت حر فمضى اليوم وقال السيد دخلت وقال العبد لم أدخل لا يحكم بوجود العتق لوجود الشرط بناء على أن الأصل عدم الدخول لما ذكرنا أنه جعل شرطا لحدوث أمر آخر فلا يحكم بوجوده بناء على الأصل" ترجمہ: اور جب تک شرط کا وجود معلوم نہ ہو تو مشروط کے ثبوت (پائے جانے) کا حکم نہیں دیا جائے گا اور مشروط، وہ حکم کی صحت ہے اور شرط کے ثبوت کا حکم لگانے میں اس کے اصل ہونے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر کسی چیز کا وجود (پایا جانا) مرتب ہوتا ہے، پس اس کے وجود کا ثبوت ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اس شخص کے بارے میں کہ جس نے اپنے غلام سے کہا کہ "اگر تو آج گھر میں داخل نہ ہوا تو تو آزاد ہے۔" پس دن گزر گیا اور آقا کہتا ہے: "تو گھر میں داخل ہوا" اور غلام کہتا ہے: "میں گھر میں داخل نہیں ہوا" ہم تمام نے یہ کہا کہ: ایسا نہیں کہا جائے گا کہ: اصل داخل نہ ہونا ہے (کیونکہ داخل نہ ہونا عدم ہے اور اصل، عدم ہے) لہذا شرط پائی گئی، تو غلام کے آزاد ہونے کا حکم کر دیا جائے۔ ایسا نہ کہنے کی وجہ وہی ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے کہ: اسے (داخل نہ ہونے کو) دوسری چیز (آزادی) کے پائے جانے کی شرط بنایا گیا ہے، لہذا اصل (جو کہ نہ ہونا ہے، اس پر بناء کرتے ہوئے، اس کے وجود کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

(فتح القدیر مع الهدایۃ، فصل فی قضاء المرأة، ج 07، ص 288، کوئٹہ)

شرح المجملۃ میں ہے: "الحکم المعلق علی شرط او المشروط بشرط اذا وقع الشک فی وجود شرطہ لایثبت، لان مالیس ثابتا بیقین لایثبت بالشک کمان الثابت بیقین لایزول

بالشک "ترجمہ: جو حکم کسی شرط پر معلق ہو یا کسی شرط سے مشروط ہو، جب اس کی شرط کے پائے جانے میں شک واقع ہو، تو وہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جس کے متعلق نہ ہونے کا یقین ہو، وہ شک سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ یقینی طور پر ثابت شدہ چیز، شک سے زائل نہیں ہوتی۔

(شرح المجلة، المادة 4، البقین لایزول بالشک، جلد 01، صفحہ 18، مطبوعہ کوئٹہ)

(و) طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا اور شرط کے پائے جانے میں شوہر اور بیوی کا اختلاف ہو تو شوہر کی بات معتبر ہوگی لہذا اگر شوہر نے کہا: "اگر تو آج گھر میں داخل نہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے" اور بعد میں شوہر اور بیوی کے درمیان شرط کے پائے جانے اور نہ پائے جانے میں اختلاف ہو جائے تو شوہر کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ شرط کا نہ پایا جانا اصل ہے، تو جب تک اس کے خلاف بات دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اصل کے مطابق ہی حکم لگایا جائے گا۔

تبیین الحقائق میں ہے: "(وإن اختلفا في وجود الشرط فالقول له) أي للزوج لأنه متمسك بالأصل فكان الظاهر شاهدا له، ولأنه ينكر وقوع الطلاق وهي تدعيه فالقول قول المنكر وعلى هذا لو قال لها إن لم تدخلي هذه الدار اليوم فأنت طالق فقالت لم أدخلها، وقال الزوج بل دخلتها فالقول له؛ لأنه المنكر لوقوع الطلاق وزوال الملك وإن كان الظاهر شاهدا لها وهو أن الأصل عدم الدخول، ولأن الزوج ينكر السبب؛ لأن المعلق يصير سببا عند الشرط فكان القول له" ترجمہ: اور اگر شرط کے پائے جانے میں میاں، بیوی کا اختلاف ہو جائے، تو میاں یعنی شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ اصل سے دلیل پکڑ رہا ہے، پس ظاہر اسی کا شاہد (گواہ) ہے اور اس لیے بھی کہ وہ طلاق کا منکر (انکار کرنے والا) ہے اور عورت طلاق کی دعویٰ ہے، تو منکر (انکار کرنے والے) کا قول ہی معتبر ہوگا اور اسی وجہ سے اگر شوہر نے بیوی کو کہا کہ: "اگر تم آج اس گھر میں داخل نہ ہوئی تو تمہیں طلاق" عورت کہتی ہے: "میں اس گھر میں داخل نہیں ہوئی" اور شوہر کہتا ہے کہ "تو داخل ہوئی" تو شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ طلاق واقع ہونے اور ملک زائل (ختم) ہونے سے انکار کر رہا ہے، اگرچہ ظاہر، عورت کا شاہد (گواہ) ہے اور وہ یعنی ظاہر یہ ہے کہ اصل داخل نہ ہونا ہے اور شوہر کا قول معتبر ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شوہر سبب کا منکر (انکار کرنے والا) ہے کیونکہ شرط پائے جانے کے وقت، معلق، سبب بن جاتا ہے، پس شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

اس کے تحت حاشیہ الشلبی میں ہے: " (قوله لأنه متمسك بالأصل) أي لأن الأصل عدم الشرط والقول قول من يتمسك بالأصل. اھ. کافی. " ترجمہ: (مصنف کا قول: کیونکہ شوہر اصل سے دلیل پکڑ رہا ہے) یعنی اس لیے کہ اصل شرط کا نہ پایا جاتا ہے اور قول اس کا معتبر ہوتا ہے، جو اصل سے دلیل پکڑ رہا ہو۔ یہ مسئلہ کافی میں ہے۔

(تبیین الحقائق مع حاشیہ الشلبی، باب التعلیق، جلد 02، صفحہ 236، مطبوعہ ملتان)

(ز) اسی طرح اگر اصل شرط میں ہی اختلاف ہو مثلاً: بیوی کہتی ہے کہ تو نے گھر میں داخل ہونے پر طلاق کو معلق کیا تھا، شوہر کہتا ہے کہ نہیں کیا تھا، تو اس صورت میں بھی شوہر کی بات ہی معتبر ہوگی کیونکہ اصل معلق نہ کرنا ہے کیونکہ معلق کرنا، ایک امر حادث ہے اور اس میں اصل عدم ہے۔

حاشیہ شرنبلالی میں ہے: " (قوله: اختلافی وجود الشرط فالقول له) أي مع اليمين كما في الغاية وكذا لو اختلفا في أصله كما في المجمع " ترجمہ: (مصنف کا قول: اگر میاں، بیوی کے درمیان شرط کے وجود (پائے جانے) میں اختلاف ہو جائے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا) یعنی شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، جیسا کہ غایہ میں ہے۔ اور یونہی اگر اصل شرط میں ہی اختلاف ہو جائے تو بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا جیسا کہ مجمع میں ہے۔ (حاشیہ الشرنبلالی مع الدرر والغری، باب التعلیق فی الطلاق، ج 01، ص 377، کراچی)

(ح) اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

۱: "اگر شوہر عورت کو طلاق رجعی دے اور عدت میں فوت ہو جائے تو عورت مطلقاً وارث بنتی ہے، خواہ

طلاق حالت صحت میں دی ہو یا حالت مرض میں، عورت کی رضا سے دی ہو یا بغیر رضا کے۔"

۲: اور اگر طلاق بائن دے یا تین طلاقیں دے تو اس میں تفصیل ہے:

(الف) اگر صحت میں دے یا مرض الموت میں عورت کی اجازت سے دے، تو عورت کی عدت میں انتقال

ہو جب بھی عورت وراثت کی حقدار نہیں بنتی۔

(ب) اور اگر مرض الموت (یعنی ایسے مرض میں کہ جس کے متعلق غالب گمان ہو کہ مریض اس میں

مر جائے گا، اور اسی مرض میں وہ مر بھی جائے، اس مرض) میں دے اور عورت کی رضا مندی کے بغیر دے تو اس

صورت میں شوہر فار بالطلاق یعنی طلاق کے ذریعے وراثت دینے سے فرار اختیار کرنے والا شمار ہوتا ہے، لہذا



عدت میں اگر شوہر کا اسی مرض میں انتقال ہو جائے تو عورت کو وراثت سے حصہ ملتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "الرجل إذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته أو في حال مرضه برضاها أو بغير رضاها ثم مات وهي في العدة فإنهما يتوارثان بالإجماع" ترجمہ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی صحت کی حالت میں رجعی طلاق دے یا اپنے مرض کی حالت میں اس کی رضامندی سے یا بغير رضامندی کے رجعی طلاق دے، پھر عورت کی عدت کے دوران ہی طلاق دینے والے کا انتقال ہو جائے تو بالاجماع وہ آپس میں وارث بنیں گے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الخامس فی طلاق المریض، ج 01، ص 462، کوئٹہ)

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: "(من غالب حاله الهلاك بمرض او غيره۔۔۔ فار بانطلاق)۔۔۔ (فلو ابانها)۔۔۔ (طائعا) بلا رضاها فلوا کره اور ضییت لم ترث۔۔۔ (ومات) فیہ۔۔۔ فی العدة (ورثت ہی) منہ" ترجمہ: جس کی نسبت غالب گمان ہو کہ مرض یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو جائے گا تو وہ طلاق کے ذریعے بھاگنے والا ہے۔ پس اگر وہ اپنی بیوی کو اپنی خوشی سے اس کی رضا کے بغیر بائن کر دے اور اسی مرض میں عورت کی عدت کے دوران مر جائے تو عورت اس کی وارث بنے گی اور اگر شوہر کو مجبور کیا گیا یا عورت کی رضا سے دی تو عورت وارث نہ ہوگی۔

(تنویر مع الدرورد المحتار، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، ج 05، ص 05-08 تا 11، کوئٹہ)

العقود الدریۃ میں ہے: "طلقها رجعياً في صحته فمات في العدة ترثه۔۔۔ لولو ابانها في صحته فمات في العدة" ترجمہ: شوہر نے عورت کو اپنی صحت میں رجعی طلاق دی اور اس کی عدت میں فوت ہو گیا تو عورت اس کی وارث بنے گی اور اگر اپنی صحت میں اسے بائنہ کیا اور اس کی عدت میں فوت ہو تو عورت وارث نہیں بنے گی۔ (العقود الدریۃ، کتاب الطلاق، ج 01، ص 79، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

لہذا اس کے مطابق تفصیل درج ذیل ہے:

اگر شوہر کے مرنے کے بعد عورت کہتی ہے کہ "اس نے مجھے مرض الموت میں، میری رضا کے بغیر بائن طلاق دی تھی یا تین طلاقیں دی تھیں اور میں عدت میں تھی کہ مر گیا لہذا مجھے میراث ملنی چاہیے۔" اور وراثہ کہتے ہیں کہ "صحت میں طلاق دی تھی لہذا نہ ملنی چاہیے"

تو اس صورت میں عورت کی بات معتبر ہے کیونکہ عورت یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وراثت سے مانع نہیں پایا جا رہا کہ اس نے مرض الموت میں میری اجازت کے بغیر مجھے بائن طلاق دی ہے اور عدت میں ہی فوت ہو گیا لہذا مجھے وراثت ملنی چاہیے، جبکہ ورثاء کا کہنا ہے کہ مانع ہے کہ اس نے صحت میں طلاق بائن دی ہے، لہذا وراثت نہیں ملنی چاہیے اور اصل مانع نہ ہونا ہے تو عورت کی بات معتبر ہوگی۔

فتح القدیر میں ہے: "لو ادعت المرأة أنه أبانها في المرض فصار فارا فأنا أرث وقالت الورثة بل في الصحة فالقول قولها لأنها أنكرت المانع من الإرث وهو الطلاق في الصحة: يعني والأصل عدم المانع." ترجمہ: اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے مرض الموت میں اسے بائن کیا ہے پس وہ میراث سے بھاگنے والا ہو گیا، لہذا میں وارث ہوں اور ورثاء کہیں: بلکہ اس نے حالت صحت میں بائن کیا تھا۔ تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ وراثت سے مانع (رکاوٹ بننے والی چیز) جو کہ حالت صحت میں طلاق دینا ہے، اس سے انکار کر رہی ہے اور اصل مانع نہ ہونا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب ادب القاضی، مسائل شتی، ج 07، ص 319، کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "شوہر کے مرنے کے بعد عورت کہتی ہے کہ اس نے مجھے مرض الموت میں بائن طلاق دی تھی اور میں عدت میں تھی کہ مر گیا لہذا مجھے میراث ملنی چاہیے اور ورثاء کہتے ہیں کہ صحت میں طلاق دی تھی لہذا نہ ملنی چاہیے تو قول عورت کا معتبر ہے۔"

(بہار شریعت، ج 02، حصہ 08، ص 169، مکتبہ المدینہ، کراچی)

(ط) حق وراثت ثابت ہونے کے لیے شرط ہے کہ مورث کی وفات کے بعد وارث کی حیات ثابت ہو، لہذا جہاں اس شرط کے پائے جانے میں شک ہوگا، اس شرط کا وجود یقینی طور پر ثابت نہ ہوگا، وہاں وراثت کا حق ثابت نہیں ہوگا۔

اسی وجہ سے اگر کسی معرکے میں یا کسی حادثے میں چند لوگ فوت ہو جائیں، جو کہ ایک دوسرے کے وارث بن سکتے تھے لیکن ان میں پہلے کون مر اور بعد میں کون مر، اس کے متعلق کنفرمیشن نہ ہو، تو ایسی صورت میں ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں بنتا۔

تبیین الحقائق میں ہے: "قال - رحمه الله - (ولا توارث بين العرقى والحرقى إلا إذا علم

ترتیب الموتی) أي إذا مات جماعة في الغرق أو الاحتراق، ولا يدري أيهم مات أولاً جعلوا كأنهم ماتوا جميعاً معاً فيكون مال كل واحد منهم لورثته، ولا يرث بعضهم بعضاً إلا إذا عرف ترتيب موتهم فيرث المتأخر من المتقدم، وهو قول أبي بكر وعمر وزيد، وإحدى الروایتین عن علي وإنما كان كذلك لأن الإرث يبتنى على اليقين بسبب الاستحقاق وشرطه وهو حياة الوارث بعد موت المورث، ولم يثبت ذلك فلا يرث بالشك۔۔۔ وكذلك الحكم إذا ماتوا بانهدام الجدار عليهم أو في المعركة، ولا يدري أيهم مات أولاً. "ترجمہ: فرمایا: اکٹھے پانی میں ڈوبنے والے اور آگ میں جلنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے مگر جب ان کے مرنے کی ترتیب معلوم ہو۔ یعنی جب ایک جماعت پانی میں غرق ہونے یا آگ میں جلنے کی وجہ سے فوت ہو گئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کون مر رہا ہے تو ان کو ایسے کر دیا جائے گا گویا کہ وہ سب اکٹھے فوت ہوئے ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم ہو گا اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے مگر جب ان کے مرنے کی ترتیب معلوم ہو تو بعد میں مرنے والا پہلے مرنے والے کا وارث ہو گا۔ یہی حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک اسی طرح ہے کیونکہ وراثت کی بنیاد، حق دار بننے کے سبب اور اس کی شرط کے یقینی طور پر پائے جانے پر ہے اور اس کی شرط مورث (جس کی وراثت تقسیم ہونی ہے) کی موت کے بعد وارث کا زندہ ہونا ہے اور اس صورت میں یہ ثابت نہیں، تو وہ شک کے ساتھ وارث بھی نہیں بنے گا اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب ان پر کوئی دیوار گرنے سے مر جائیں یا کسی معرکے میں مارے جائیں اور معلوم نہ ہو کہ پہلے کون فوت ہوا ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الفرائض، جلد 06، صفحہ 241، مطبوعہ ملتان)

(ی) رب المال (مال کے مالک) اور مضارب (فیصدی نفع پر بغیر مال شامل کیے کام کرنے والے) کے درمیان مضارب کے نفع کی مقدار میں اختلاف واقع ہوا، رب المال تھوڑی مقدار بتاتا ہے اور مضارب زیادہ مقدار، تو رب المال کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اصل زیادت کا عدم یعنی نہ ہونا ہے۔

تحقیق الباہر میں ہے: "لو اختلفا في قدر ما شرط من الربح للمضارب فان القول لرب المال

كما تقدم لان المضارب يدعى الزيادة في الربح وينكر هارب المال والاصل عدم الزيادة"

ترجمہ: اگر مضارب ورب المال میں، نفع کی اس مقدار میں اختلاف ہو جائے، جو مضارب کے لیے طے تھی، تو رب المال کا قول معتبر ہوگا جیسا کہ پیچھے گزرا کیونکہ مضارب نفع میں زیادتی کا مدعی (دعویدار) ہے اور رب المال اس کا منکر (انکار کرنے والا) ہے اور اصل زیادت کا نہ ہونا ہے۔ (التحقیق الباہج ج 01، ص 252، مخطوطہ)

(ک) کسی عورت نے اپنی چھاتی کسی بچے کے منہ میں ڈالی لیکن کنفرم نہیں کہ دودھ بچے کے منہ میں داخل ہوا کہ نہیں، تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور اس عورت سے اور اس کی بچیوں سے اس بچے کا نکاح ہو سکتا ہے، کیونکہ نکاح میں اصل حلت یعنی عدم حرمت ہے، جو شک سے زائل نہیں ہوگی۔

(ل) اسی طرح کسی بستی کی چند عورتوں نے ایک بچی کو دودھ پلایا بعد میں پتانا رہا کہ کس نے پلایا تھا پھر بستی کے کسی فرد نے اس بچی سے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے، وجہ وہی ہے کہ نکاح میں اصل حلت ہے، جو کہ شک سے زائل نہیں ہوگی۔

### دودھ پلانے سے متعلق اہم نوٹ:

عورتوں پر لازم ہے کہ وہ بلا ضرورت ہر کسی بچے کو دودھ نہ پلاتی رہیں اور جسے پلائیں اس کو یاد رکھیں بلکہ احتیاطاً اس کا نام وغیرہ لکھ لیں۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: "امرأة أدخلت حلماً ثديها في فم رضيع، ولا يدرى أدخل اللبن في حلقه أم لا - لا يحرم النكاح. وكذا صبية أرضعها بعض أهل القرية، ولا يدرى من هو فتزوجها رجل من أهل تلك القرية - يجوز؛ لأن إباحة النكاح أصل، فلا يزول بالشك. ويجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة، فإن فعلن فليحفظنه أو يكتبنه احتياطاً." ترجمہ: کسی عورت نے اپنے پستان کا سورا، دودھ پیتے بچے کے منہ میں ڈالا اور یہ معلوم نہ ہوا کہ دودھ بچے کے حلق میں داخل ہوا یا نہیں؟ تو نکاح کرنا حرام نہ ہوگا اور اسی طرح کسی بچی کو کسی بستی کی کچھ عورتوں نے دودھ پلایا اور یہ معلوم نہ رہا کہ وہ کون کون تھیں؟ پس اس بستی میں سے کسی بندے نے اس لڑکی سے نکاح کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نکاح کا مباح (جائز) ہونا اصل ہے، لہذا یہ شک سے زائل نہیں ہوگی اور عورتوں پر لازم ہے کہ بلا ضرورت ہر کسی بچے کو دودھ نہ پلائیں پھر اگر پلائیں تو اس کو یاد رکھیں یا اس کو احتیاطاً لکھ لیں۔

(الاختیار لتعلیل المختار کتاب الرضاع، ج 03، ص 149، کراچی)

(م) بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان خریدی ہوئی شے کو دیکھنے میں اختلاف ہو گیا، بیچنے والا کہتا ہے کہ خریدنے سے پہلے تم نے اسے دیکھ لیا تھا اور خریدار کہتا ہے کہ نہیں دیکھا تھا، تو خریدار کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی کیونکہ وہ دیکھنے کا انکار کرتا ہے اور دیکھنا ایک عارضی معاملہ ہے اور عارضی معاملے میں اصل عدم یعنی اس کا نہ ہونا ہے۔

در مختار میں ہے: "القول للمشتري بيمينه (لو اختلفا في) أصل (الرؤية) لأنه ينكر الرؤية" ترجمہ: اگر بائع (بیچنے والے) اور مشتری (خریدار) کے درمیان اصل رویت (بیچی گئی چیز کو دیکھنے) میں ہی اختلاف ہو گیا تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا کیونکہ وہ رویت (دیکھنے) کا منکر (انکار کرنے والا) ہے۔ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "قولہ: لو اختلفا في أصل الرؤية) بأن قال له البائع رأيت قبل الشراء وقال المشتري ما رأيتہ۔۔۔ (قولہ: لأنه ينكر الرؤية) أي وهي أمر عارض والأصل عدمہ۔" ترجمہ (مصنف کا قول: اگر بائع اور مشتری کے درمیان اصل رویت میں ہی اختلاف ہو گیا) یوں کہ بائع کہے: تم نے خریدنے سے پہلے دیکھ لیا تھا اور مشتری کہے: نہیں دیکھا تھا۔۔۔ (مصنف کا قول: کیونکہ وہ رویت کا منکر ہے) یعنی رویت عارض یعنی بعد میں پائی جانے والی چیز ہے اور اصل اس کا نہ ہونا ہے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، باب خيار الرؤية، ج 07، ص 160، کو بیو)

(ن) اگر ثمن کی مدت مقرر کرنے میں اختلاف ہو جائے، ایک کہے کہ مدت مقرر کی گئی تھی اور دوسرا کہے کہ مقرر نہیں کی گئی تھی، تو جو نفی کرے، اس کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اصل مدت مقرر نہ کرنا ہے۔

(س) اسی طرح اگر مدت مقرر کرنے پر اتفاق ہو، لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہو تو جو کم مقدار بتائے اس کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ زائد کا نہ پایا جانا اصل ہے۔

(ع) اور اگر مدت کی مقدار پر اتفاق ہو، لیکن اس بات میں اختلاف ہو کہ آیا وہ مقدار گزر گئی ہے یا نہیں، تو ایسی صورت میں جو گزرنے کی نفی کرے اس کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس صورت میں نہ گزرنا اصل ہے۔

الجوهرة النيرة میں ہے: "وإن اختلفا في الأجل فالقول قول من ينفيه لأن الأصل عدمه وكذا لو اختلفا في قدره فالقول لمدعي الأقل والبينة بينة المشتري في الوجهين وإن انفقا على قدره

واختلفا في مضيه فالقول للمشتري أنه لم يمض والبينة بينته أيضا لأن البينة مقدمة على الدعوى۔" ترجمہ: اور اگر بائع (بیچنے والے) اور مشتری (خریدار) کے درمیان ثمن (قیمت) کی مدت مقرر کرنے کے بارے میں اختلاف ہو جائے، تو جو مدت مقرر کرنے کی نفی (انکار) کرے اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل مدت کا مقرر نہ ہونا ہے۔ اور اسی طرح اگر مدت کی مقدار میں اختلاف ہو جائے، تو کم مقدار کے مدعی (دعوے دار) کا قول معتبر ہوگا اور گواہ دونوں صورتوں میں مشتری (خریدار) کے معتبر ہوں گے اور اگر مدت کی مقدار کے بارے میں دونوں کا اتفاق ہو، اور مدت گزر چکی ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے اختلاف ہو جائے تو مشتری کی بات کہ مدت نہیں گزری معتبر ہوگی اور گواہ بھی مشتری ہی کے معتبر ہوں گے کیونکہ گواہ دعویٰ پر مقدم ہوتے ہیں۔ (الجوهرة النيرة، كتاب البيوع، ج 01، ص 434، كوئٹہ)

(ف) ایک نے دوسرے کو کوئی چیز دی، جس کی کچھ نہ کچھ قیمت ہے، بعد میں دونوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا، دینے والا کہتا ہے کہ میں نے قرض کے طور پر دی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ہبہ کے طور پر دی ہے، تو جو قرض کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی بات مقبول ہے کیونکہ ہبہ کا قول کرنے والا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ تم نے اس کی قیمت ادا کرنے سے مجھے بری کر دیا ہے اور قرض کا دعویٰ کرنے والا بری کرنے سے انکار کرتا ہے، جبکہ چیز اپنی ذات میں قیمت والی ہے اور اصل بری نہ کرنا ہے، لہذا جو بری نہ کرنے کا دعویٰ دار ہے، اس کی بات معتبر ہے اور یہ وہ ہے جو قرض کا دعویٰ کرتا ہے۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "لو دفع إلى آخر عينائهم اختلفا فقال الدافع قرض، وقال الآخر: هبة فالقول لمن يدعي القرض، لأن العين متقوم بنفسه فالأخر يدعي الإبراء عن قيمته فالقول لمنكر الإبراء وهو مدعي القرض" ترجمہ: اگر کسی بندے نے دوسرے کو کوئی چیز دی پھر ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا، دینے والا کہتا ہے کہ قرض ہے، جبکہ دوسرا کہتا ہے: ہبہ (گفٹ) ہے، تو جو قرض کا دعویٰ دار ہے، اس کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ جو چیز دی گئی ہے، وہ اپنی ذات میں قیمتی مال ہے، تو دوسرا اس کی قیمت سے بری (معاف) کرنے کا دعویٰ دار ہے پس ابراء (معاف کرنے) سے منکر (انکار کرنے والے) کا قول معتبر ہوگا اور وہ قرض کا مدعی (دعویٰ کرنے والا) ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ، باب اجارة العبد، ج 09، ص 410، كوئٹہ)

تحقیق الباہر میں اسی مسئلے کے تحت فرمایا: "والاصل عدم الإبراء" اور اصل بری (معاف) نہ کرنا

ہے۔ (التحقیق الباہر، ج 01، ص 254، مخطوطہ)

(ص) مضاربت میں اصل عموم واطلاق ہے اور خصوص و قید عارض یعنی بعد میں آنے والی چیز ہے اور عارض میں اصل عدم یعنی اس کا نہ ہونا ہے۔ لہذا اگر تصرف کے بعد مالک اور مضارب میں اختلاف ہو گیا، مالک کہتا ہے: "میں نے تجھے نقد تجارت کرنے کا کہا تھا" مضارب کہتا ہے: "تو نے نقد کی قید نہیں لگائی تھی" تو اس صورت میں مضارب کا قول معتبر ہو گا کہ وہ اصل کے مطابق ہے۔

(ق) اسی طرح مالک کہتا ہے: "میں نے تجھے کوفہ میں تجارت کرنے کا کہا تھا" مضارب کہتا ہے کہ "تو نے کوئی قید نہیں لگائی تھی" تو مضارب کی بات معتبر ہو گی۔

ہدایہ میں ہے: "(وإن اختلف في ذلك المضارب ورب المال فالقول قول المضارب) لأن الأصل في المضاربة العموم" ترجمہ: اور اگر قید لگانے نہ لگانے میں مضارب و رب المال کا اختلاف ہو گیا تو مضارب کا قول معتبر ہو گا کیونکہ مضاربت میں اصل عموم (قید نہ ہونا) ہے۔

اس کے تحت فتح القدير میں ہے: "(وإن اختلف في ذلك) أي في الإطلاق والتقييد (المضارب ورب المال) فقال رب المال أمرتك بالنقد وقال المضارب بل دفعت مضاربة ولم تعين شيئاً (فالقول قول المضارب) --- وهي مسألة الجامع الصغير. فإن صورتها هكذا: محمد عن يعقوب عن أبي حنيفة في رجل دفع إلى رجل مالا مضاربة فاختلفا فقال رب المال: أمرتك أن تبعه بالنقد دون ما سواه، وقال المضارب أعطيتني المال مضاربة ولم تقل شيئاً. قال القول قول المضارب الذي أخذ المال. انتهى لفظ محمد. قال المصنف في تعليل هذه المسألة (لأن الأصل في المضاربة العموم) يعني أن الأمر وإن كان مستفاداً من جهة رب المال إلا أن في العقد ما يخالف دعواه بناء على أن الأصل في المضاربة العموم والإطلاق" ترجمہ: اور اگر مضارب و رب المال کے درمیان، قید لگانے نہ لگانے، کے حوالے سے اختلاف ہو جائے۔ پس رب المال کہے: "میں نے تمہیں نقد خرید و فروخت کا حکم دیا تھا" اور مضارب کہے: "نہیں بلکہ تم نے بطور مضاربت دیے تھے اور کسی چیز کی تعیین نہیں کی تھی" تو مضارب کا قول ہی معتبر ہے اور یہ جامع الصغير کا مسئلہ ہے، بیشک اس کی صورت اس طرح ہے: "امام محمد نے امام ابو یوسف سے اور انہوں نے امام اعظم (علیہم الرحمة) سے اس شخص کے متعلق روایت

کیا، جس نے اپنا مال کسی شخص کو بطور مضاربت دیا۔ پھر ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ رب المال کہتا ہے: میں نے تجھے کہا تھا کہ ”صرف نقد ہی بیچنا، اس کے علاوہ دوسری صورت نہ اختیار کرنا“ اور مضارب کہتا ہے: ”تم نے مجھے مال بطور مضاربت دیا تھا اور کوئی بات نہیں کی تھی“ امام صاحب نے فرمایا: ”مضارب، جس نے مال لیا ہے، اس کی بات معتبر ہوگی“ امام محمد رضی اللہ عنہ کے الفاظ ختم ہوئے۔ مصنف نے اس مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے کہا: ”کیونکہ مضاربت میں اصل عموم (قید نہ ہونا) ہے یعنی حکم اگرچہ رب المال کی طرف سے حاصل ہوتا ہے مگر یہ ہے کہ عقد میں وہ چیز ہے جو اس کے دعویٰ کے خلاف ہے، اس وجہ سے کہ مضاربت میں اصل عموم و اطلاق (قید نہ لگانا) ہے۔“ (فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب الوکالۃ، فصل فی وکالۃ البیع، ج 08، ص 97، کوئٹہ)

بنیہ شرح ہدایہ میں ہے: ”لأن الأصل في المضاربة العموم في أنواع التجارة فالخصوص عارض، فكان القول لمن ينكر العارض“ ترجمہ: کیونکہ مضاربت میں اصل تجارت کی اقسام کے متعلق عموم ہے اور خصوص (کوئی قسم خاص کرنا) عارض یعنی بعد میں آنے والی چیز ہے پس جو عارض کا منکر ہوگا قول اسی کا معتبر ہوگا۔ (البنیۃ شرح الہدایۃ، کتاب الاجارۃ، ج 09، ص 407، کوئٹہ)

فتح القدیر میں ہے: ”والاصل عدم العارض“ ترجمہ: اور اصل عارض کا نہ ہونا ہے۔

(فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب الوصایۃ، فصل فی الشہادۃ، ج 10، ص 544، کوئٹہ)

تحقیق الباہر میں یہ مسائل درج کرنے کے بعد علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”لان الاصل الاطلاق

وعدم النهی“ ترجمہ: کیونکہ اصل اطلاق (قید نہ لگانا) اور عدم ممانعت (ممانعت کا نہ ہونا) ہے۔

(التحقیق الباہر، ج 01، ص 252، مخطوطہ)

**(نوٹ:)**

وکالت میں اصل اطلاق نہ ہونا (یعنی مقید ہونا) ہے۔

وکالت میں اس کا برعکس ہے یعنی وہاں خصوص (مقید ہونا) اصل ہے۔ لہذا اگر موکل (وکیل بنانے والا)

کہے کہ ”میں نے تمہیں نقد بیچنے کا کہا تھا“ اور وکیل کہے کہ ”تم نے کوئی قید نہ لگائی تھی“ تو موکل کی بات معتبر ہوگی۔

در مختار میں ہے: ”(الأصل في الوكالة الخصوص وفي المضاربة العموم) و فرع عليه بقوله





کہ بیع کا وجود پایا گیا ہے اور بیع میں اصل صحت ہے، تو اصل والے کی بات معتبر ہوگی۔ نیز فساد کا دعویٰ کرنے والا حقیقت میں اس بات کا دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مجھے بیع فسخ کرنے کا حق ہے اور یہ خلاف اصل ہے، لہذا اس کی بات معتبر نہیں ہوگی۔

در مختار میں ہے: "وفیہا اختلف المتبايعان في الصحة والبطالان فالقول لمدعي البطلان وفي الصحة والفساد لمدعي الصحة. قلت: إلا في مسألة إذا ادعى المشتري بيعه من بائعه بأقل من الثمن قبل النقد وادعى البائع الإقالة فالقول للمشتري مع دعواه الفساد" ترجمہ: بائع (بیچنے والے) اور مشتری (خریدنے والے) کے درمیان بیع کی صحت و بطلان (باطل ہونے) میں اختلاف ہو جائے تو بطلان کے مدعی کا قول معتبر ہوگا اور صحت اور فساد میں اختلاف ہو جائے تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ میں کہتا ہوں: مگر اس مسئلہ میں کہ جب مشتری اپنے بائع کو یہی چیز ثمن کی ادائیگی سے پہلے، ثمن کی مقدار سے کم پر بیچنے کا دعویٰ کرے اور بائع اقالہ (بیع ختم کرنے) کا دعویٰ کرے، تو اس صورت میں فساد کا دعویٰ ہونے کے باوجود مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله: فالقول لمدعي البطلان) لأن انعقاد البيع حادث والأصل عدمه اھ۔ ح فهو منكر لأصل العقد. (قوله: لمدعي الصحة) لأنهما لما اتفقا على العقد كان الظاهر من إقدامهما عليه صحته اھ۔ ح ولأن مدعي الفساد يدعي حق الفسخ وخصمه ينكر ذلك والقول للمنكرط ولو برهنا فالبينة بينة الفساد" ترجمہ (مصنف کا قول: بطلان کے مدعی کا قول معتبر ہوگا) کیونکہ بیع کا منعقد ہونا حادث (بعد میں رونما ہونے والی چیز) ہے اور اصل نہ ہونا ہے۔ پس وہ اصل عقد کا منکر ہے۔ (مصنف کا قول: صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا) کیونکہ جب وہ دونوں بیع ہونے پر متفق ہیں، تو ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس کی صحت کا اقدام کیا ہوگا اور اس لیے کہ فساد کا منکر (انکار کرنے والا)، فسخ کے حق کا دعویٰ دار ہے اور اس کا مد مقابل اس سے منکر ہے اور قول منکر کا ہی معتبر ہوتا ہے اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو فساد کے گواہ معتبر ہوں گے۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، باب الاقالة، ج 07، ص 357، کوئٹہ)

(ت) ہبہ میں اصل اس کا بلا عوض ہونا ہے، لہذا اگر وہب (ہبہ کرنے والے) اور موہوب (جسے ہبہ کیا گیا) کے درمیان عوض کے متعلق اختلاف ہو گیا، وہب کہتا ہے کہ "میں نے عوض کی شرط لگائی

تھی“ اور موہوب لہ کہتا ہے کہ ”نہیں لگائی تھی“ تو موہوب لہ کی بات بغیر قسم کے معتبر ہے۔

در مختار میں ہے: "قال الواهب: اشترطت العوض وقال الموہوب لہ لہم تشترطہ فالقول لہ بلا یمین" ترجمہ: واہب (گفٹ کرنے والا) کہتا ہے: میں نے عوض کی شرط لگائی تھی اور موہوب لہ (جسے گفٹ کیا گیا، وہ) کہتا ہے: تم نے عوض کی شرط نہیں لگائی تھی تو موہوب لہ کا قول بغیر قسم کے معتبر ہوگا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قولہ: فالقول لہ بلا یمین) لأن الأصل في الهبة أن تكون بلا عوض ط" ترجمہ (مصنف کا قول: موہوب لہ کا قول بغیر قسم کے معتبر ہوگا) کیونکہ ہبہ میں اصل یہ ہے کہ بغیر عوض کے ہو۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، ج 06، ص 753، کوئٹہ)

#### (4) تاعدہ:

#### "الاصل براءة الذمة" (اصل بری الذمہ ہونا ہے)

اصل بری الذمہ ہونا ہے یعنی اصل یہ ہے کہ کسی پر دوسرے کی کوئی چیز لازم نہ ہو، لہذا لازم آنے کے لیے دلیل شرعی درکار ہوگی، شکوک و شبہات سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ پس اس اصول پر درج ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں:

(الف) اگر کسی نے کہا کہ "میرے گمان میں فلاں کے میرے ذمہ ہزار روپے ہیں" تو اس پر کچھ بھی دینا لازم نہیں آئے گا، کیونکہ لازم نہ ہونا یقینی ہے اور لازم ہونے میں شک ہے اور شک سے لزوم ثابت نہیں ہوتا۔

الحدیقة الندیة میں ہے: "الظن عند الفقهاء من قبيل الشك لانهم يريدون به التردد بين وجود الشئ وعدمه سواء استويا او ترجح احدهما، ولذا قالوا في كتاب الاقرار: لو قال له علي الف في ظني لم يلزمه شئ، لانه للشك" ترجمہ: فقہاء کے نزدیک "گمان" شک کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ گمان سے کسی چیز کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے درمیان تردد مراد لیتے ہیں، خواہ اس کے جانبین برابر ہوں یا ایک جانب راجح ہو اور اسی وجہ سے انہوں نے "کتاب الاقرار" میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی یوں کہے: "فلاں کے مجھ پر ایک ہزار ہیں میرے گمان میں" تو اس اقرار سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ ظن شک کے لیے ہوتا ہے۔

(الحدیقہ الندیة شرح الطریقة المحمدیة، الصنف الثانی فیما ورد عن ائمتنا الحنفیة، ج 05، ص 402، کوئٹہ)

(ب) جس کے پاس امانت رکھی گئی، جب وہ کہے: ”میں نے امانت واپس کر دی ہے۔“ تو قسم کے ساتھ

اس کی بات مان لی جائے گی، کیونکہ وہ تاوان لازم ہونے سے انکار کر رہا ہے اور اصل ذمہ کا بری ہونا ہے، تو وہ اس اصل کے مطابق دعویٰ کر رہا ہے۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: ”م: (فإن المودع إذا قال: رددت الودیعة فالقول قوله مع الیمین ینکر،

وإن كان مدعیاً للرد صورة لأنه ینکر الضمان معنی) ش: فلو أقام علی ذلك بینة قبلت، لأنه

متمسک بالأصل إذا أصل فی الذم البراءة“ ترجمہ: مودع جب کہے کہ میں نے امانت واپس کر دی

تھی، تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ اس صورت میں وہ اگرچہ بظاہر لوٹانے کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن

حقیقت میں منکر ہے کیونکہ وہ معنی ضمان سے منکر ہے، پس اگر وہ اس پر گواہ قائم کر دے تو قبول کر لیے جائیں

گے کیونکہ وہ اصل سے دلیل پکڑ رہا ہے کیونکہ ذمہ میں اصل براءت ہے۔

(البنایة شرح الہدایة، کتاب الدعوی، ج 08، ص 388، کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے: ”المودع إذا قال رددت الودیعة فالقول قوله مع الیمین، وإن كان مدعیاً

للرد صورة؛ لأنه ینکر الضمان کذا فی الہدایة وحاصله أن المدعی یدعی فراغ ذمته عن

الضمان ولهذا تقبل بینته اعتباراً للصورة“ ترجمہ: مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی) جب کہے کہ

میں نے ودیعت (امانت) واپس کر دی تھی تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگرچہ وہ صورتاً لوٹانے کا مدعی ہے

کیونکہ وہ ضمان کا منکر ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مدعی اپنے ذمے کے ضمان سے بری

ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے گواہ قبول کیے جاتے ہیں، صورت کا اعتبار کرتے ہوئے۔

(بحر الرائق، کتاب الدعوی، ج 07، ص 239، کوئٹہ)

(ج) کسی کے لیے یوں اقرار کیا کہ ”فلاں کے میرے ذمہ ایک ہزار یا دو ہزار ہیں۔“ تو اس صورت میں

ایک ہزار لازم ہوں گے، کیونکہ ایک ہزار کے متعلق تو اسے یقین ہے اور دو ہزار کے بارے میں شک ہے اور اصل

براءت ذمہ ہے لہذا شک سے لازم نہیں ہوں گے۔

فتح القدیر میں ہے: ”لو أقر له بألف أو ألفین حیث یتعین له الألف؛ لأنه لم یوقع ذلك فی

إنشاء معاوضة، بل ذکر أن ذمته مشغولة بأحد المالكين والأصل براءة الذمة وهو في شك في اشتغالها بالألفين لم يجزم بهما فلا يلزم منه، بخلاف الألف فإنه لم يشك فيها "ترجمہ: اگر کسی نے اقرار کیا کہ " فلاں کے میرے ذمہ ایک ہزار ہیں یا دو ہزار، " تو ایک ہزار متعین ہوگا کیونکہ اس نے معاوضہ ثابت کرنے میں تردد (شک) نہیں ڈالا بلکہ اس نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ذمہ دو مالوں میں سے ایک کے ساتھ مشغول ہے اور اصل براءتِ ذمہ ہے اور اسے اپنے ذمہ پر دو ہزار لازم ہونے میں شک ہے، دو ہزار لازم ہونے کا سے یقین نہیں ہے، لہذا وہ لازم نہیں ہوں گے۔ بخلاف ایک ہزار کے کہ اس میں اسے شک نہیں ہے۔ (فتح القدیر، باب المہج ج 03، ص 339، کوئٹہ)

### نوٹ:

ذمہ مشغول ہونے کے بعد اصل بری الذمہ نہ ہونا ہے:

یہ یاد رہے کہ بری الذمہ ہونا "اصل" اس وقت ہے، جب ذمہ کا مشغول ہونا ثابت نہ ہو اور اگر ایک مرتبہ ذمہ کا مشغول ہونا ثابت ہو گیا، تو اب مشغول ہونا اصل ہوگا اور بری ہونا عارض یعنی بعد میں ثابت ہونے والا ہوگا، لہذا جو بری الذمہ نہ ہونے کا قول کرے گا، اس کی بات معتبر ہوگی، لہذا اس پر درج ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں:

(الف) نماز کا وقت باقی ہے اور شک ہو گیا کہ ادا کی یا نہیں تو دوبارہ ادا کرے کہ جب سبب وجوب موجود ہے تو اس کا لزوم یقینی ہے اور بری الذمہ ہونے میں شک ہے اور ایک مرتبہ ذمہ کا مشغول ہونا ثابت ہو جائے تو شک سے براءتِ ذمہ ثابت نہیں ہوتی۔

(ب) اسی طرح زکوٰۃ کا معاملہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی یا نہیں، شک آگیا تو ادائیگی کرے اور اس میں تو وقت کا بھی لحاظ نہیں کیونکہ اس کی قضاء نہیں ہوتی بلکہ پوری عمر اس کا وقت ہے۔

(ج) اسی طرح اگر یہ شک ہو کہ زکوٰۃ مکمل ادا کر دی یا نہیں تو جتنی میں شک ہے وہ ادا کرے۔

(د) صدقہ فطر بھی زکوٰۃ کی طرح ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا کہ ادائیگی میں شک ہے تو اب ادا کرے۔

(ه) پورا ادا کرنے میں شک ہے تو جتنی مقدار میں شک ہے، وہ ادا کرے۔

(و) اسی طرح عشر کا معاملہ ہوگا کہ ادائیگی میں شک ہے تو اب ادا کرے۔

(ز) مکمل ادائیگی کی یا نہیں، اس میں شک ہے تو جتنی مقدار میں شک ہے، وہ ادا کرے۔

(ح) یہی معاملہ حج کا ہے کہ حج فرض کی ادائیگی میں شک ہو تو اسے ادا کرے۔

بحر الرائق میں ہے: "وفي الواقعات ولو شك رجل في الزكاة فلم يدرك في أم لا فإنه يعيد فرق بين هذا وبين ما إذا شك في الصلاة بعد زهاب الوقت أصلاً أم لا، والفرق أن العمر كله وقت لأداء الزكاة فصار هذا بمنزلة شك وقع في أداء الصلاة أنه أدى أم لا، وهو في وقتها ولو كان كذلك يعيده. ووقعت حادثه هي أن من شك هل أدى جميع ما عليه من الزكاة أم لا بأن كان يؤدي متفرقا، ولا يضبطه هل يلزمه إعادتها ومقتضى ما ذكرنا لزوم الإعادة حيث لم يغلب على ظنه دفع قدر معين؛ لأنه ثابت في ذمته بيقين فلا يخرج عن العهدة بالشك - ترجمہ: اور واقعات میں ہے: اور اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے معاملے میں شک ہو۔ معلوم نہ ہو کہ زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ تو وہ دوبارہ ادا کرے۔ اس مسئلے میں اور جب نماز کا وقت گزرنے کے بعد شک ہو کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں، اس میں فرق کیا ہے اور فرق یہ ہے کہ تمام عمر زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت ہے، پس یہ ایسے ہی ہو گیا کہ جیسے وقت باقی ہوتے ہوئے نماز کی ادائیگی میں شک واقع ہو جائے اور ایسی صورت میں دوبارہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور ایک نیا واقعہ پیش آیا کہ کوئی شخص مختلف اوقات میں تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ ادا کرتا رہا پھر اسے یاد نہیں رہا کہ کتنی ادا کر دی ہے، جس کے نتیجے میں اس کو شک ہوا کہ اس پر جتنی زکوٰۃ بنتی تھی، اس نے اتنی ادا کی ہے یا نہیں؟ تو کیا اس پر اعادہ لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اعادہ لازم ہے، جبکہ کسی معینہ مقدار کی ادائیگی کا غالب گمان نہ ہو، کیونکہ زکوٰۃ اس کے ذمہ میں یقینی طور پر ثابت ہے، لہذا وہ شک کے ساتھ اس ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا۔

(البحر الرائق، کتاب الزکاة، ج 02، ص 371، کوئٹہ)

غز عیون البصائر میں بھی ایسا ہی ہے۔

(غز عیون البصائر، کتاب الزکاة، ج 02، ص 55، بیروت)

فتح القدير میں ہے: "إذا شك هل زكى أو لا يجب عليه أن يزكي، بخلاف ما لو شك أنه صلى أم لا بعد الوقت لا يعيد لأن وقت الزكاة العمر، فالشك حينئذ فيها كالشك في الصلاة في الوقت، والشك في الحج مثله في الزكاة" ترجمہ: جب کسی کو شک ہوا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ تو اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے۔ برخلاف اس کے کہ نماز کا وقت گزرنے کے بعد اگر شک ہوا کہ

اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ تو دوبارہ نہیں پڑھے گا کیونکہ زکوٰۃ کا وقت پوری عمر ہے پس اس وقت اس میں شک ایسے ہی ہے جیسے نماز کے وقت میں نماز کی ادائیگی کے متعلق شک ہو اور حج کی ادائیگی میں شک، زکوٰۃ میں شک کی طرح ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ، ج 02، ص 166، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "(و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف) وفي كل حال (إلا في) جواز (الدفع إلى الذمي) وعدم سقوطها بهلاك المال - "ترجمہ: اور صدقہ فطر، مصارف اور تمام حالات میں زکوٰۃ کی طرح ہے سوائے اس کے کہ صدقہ فطر ذمی کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، باب صدقة الفطر، ج 03، ص 379، کوئٹہ)

بنیہ میں ہے: "العشر صدقة كالزكاة" ترجمہ: عشر زکوٰۃ کی طرح کا صدقہ ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، باب الزکاة فی الخضروات، ج 03، ص 495، کوئٹہ)

(ط) جب مدیون دعویٰ کرے کہ میں نے مالک دین کے وکیل کو دین سپرد کر دیا ہے، پھر مالک دین آئے اور وہ وکالت سے ہی انکار کرے یعنی کہے کہ "میں نے تو کسی کو وکیل ہی نہیں بنایا"، تو مالک دین ہی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہاں مدیون، ذمہ مشغول ہونے کے بعد براءت کا دعویٰ کر رہا ہے اور اس صورت میں یہ عارض یعنی بعد میں آنے والی چیز ہے اور مالک دین، بری نہ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اس صورت میں یہی اصل ہے، لہذا اسی کی بات معتبر ہوگی۔

فتح القدیر میں ہے: "الفراغ ليس بأصل بعد الاشتغال، ولهذا قلنا: إذا ادعى المديون براءة ذمته بدفع الدين إلى وكيل رب المال وهو ينكر الوكالة فالقول لرب المال لأن المديون يدعي براءة بعد الشغل فكانت عارضة، والشغل أصل" ترجمہ: ایک مرتبہ ذمہ مشغول ہو جانے کے بعد، بری الذمہ ہونا اصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: جب مدیون (جس پر قرضہ لازم ہے، وہ) دعویٰ کرے کہ میں نے دین (قرضہ) رب المال کے وکیل کو ادا کر دیا ہے لہذا میرا ذمہ بری ہو چکا ہے۔ جبکہ دین کا مالک کسی کو وکیل بنانے سے ہی انکار کرتا ہے، تو دین کے مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مدیون، ذمہ مشغول ہونے کے بعد بری ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے، لہذا یہ عارضی ہے اور مشغول ہونا اصل ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الدعوی، ج 8، ص 162، کوئٹہ)

(ی) لفظ یعنی گرا پڑا مال بغیر گواہ بنائے اٹھالایا اور مال اس کے پاس سے ضائع ہو گیا، اب مالک آیا، ان دونوں

میں اختلاف ہو گیا، مالک کہتا ہے کہ ”تو نے بدینتی سے اپنے استعمال میں لانے کے لیے اٹھایا تھا، لہذا ضائع ہونے سے تم پر تاوان ہے“ اٹھانے والا کہتا ہے کہ ”میں نے اپنے لیے نہیں اٹھایا تھا بلکہ اس نیت سے اٹھایا تھا کہ مالک تک پہنچاؤں گا“، لیکن اس کے پاس گواہ نہیں، تو محض اتنا کہنے سے تاوان سے بری نہیں ہوگا بلکہ تاوان ادا کرنا ہوگا، کیونکہ ذمہ مشغول ہونے کا سبب یقینی طور پر پایا جا رہا ہے، جبکہ بری ہونے میں شک ہے اور ذمہ مشغول ہو جانے کے بعد شک سے براءت ثابت نہیں ہوتی۔

ہدایہ میں ہے: "وإن لم يشهد الشهود عليه وقال الآخذ أخذته للمالك وكذبه المالك يضمن عند أبي حنيفة ومحمد. --- ولهما أنه أقر بسبب الضمان وهو أخذ مال الغير وادعى ما يبرئه وهو الأخذ للمالك وفيه وقع الشك فلا يبرأ" ترجمہ: اور اگر لفظ پر گواہ نہ بنائے۔ اور اٹھانے والا کہتا ہے کہ میں نے مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھایا تھا اور مالک اس کو جھٹلاتا ہے تو طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمد) رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے اور وہ دوسرے کا مال اٹھانا ہے اور اس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے، جو اس کو ضمان سے بری کر دے اور وہ مال کو مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھانا ہے۔ اور اس ضمان سے بری کرنے والی چیز میں شک واقع ہو گیا ہے، پس وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔ (الہدایہ، کتاب اللقطة، ج 02، ص 596، لاہور)

(ک) جس کے پاس امانت رکھی گئی، وہ مالک کے سامنے دعویٰ کرتا ہے کہ ”میں نے تمہاری امانت اجنبی کے ہاتھ تمہارے گھر بھیجی تھی اور وہ تمہیں مل چکی“ مالک کہتا ہے کہ ”مجھے نہیں پہنچی“ تو جب تک گواہ یا مالک کا اقرار نہ ہو، دعویٰ کرنے والے پر تاوان لازم آئے گا کیونکہ اجنبی کے سپرد کرنا، تاوان لازم آنے کا سبب ہے، جب اس نے اجنبی کے سپرد کرنے کا اقرار کیا، تو سبب تاوان کا اقرار کیا، پھر اس کے بعد مالک کے پاس پہنچنے کا دعویٰ اس تاوان سے بری ہونے کا دعویٰ ہے اور وہ یقینی نہیں، بلکہ اس میں شک ہے تو یہ شک سے ثابت نہیں ہوگا۔

محیط برہانی میں ہے: "ولو قال: ردتها بيد أجنبي ووصلت إليك، فأنكر ذلك صاحب المال، فهو ضامن إلا أن يقر به رب الوديعة، أو يقيم المودع بينة على ذلك؛ لأنه ليس له الرد بيد الأجنبي، فإذا ادعى ذلك، فقد أقر بسبب الضمان، فقولته: وصل إليك ادعاء يبرئه عن



الضمان، فلا يصدق إلا بحجة، والحجة إقرار رب الودیعة، أو البينة "ترجمہ: اور اگر جس کے پاس امانت رکھی تھی، وہ کہے: "میں نے تیری امانت اجنبی کے ہاتھ واپس کر دی تھی اور وہ تجھے مل چکی۔" مال والا اس بات کا انکار کرے، تو اس پر تاوان ہو گا مگر یہ کہ امانت کا مالک اس کا اقرار کر لے یا جس کے پاس امانت رکھی تھی، وہ واپس پہنچانے پر گواہ قائم کر دے، تو اس پر تاوان نہیں ہو گا کیونکہ اسے اجنبی کے ہاتھ امانت واپس پہنچانے کا اختیار نہیں تھا، پس جب اس نے اس کا دعویٰ کیا، تو اس نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا۔ اور اس کا کہنا: اور تجھے مل گئی تھی "ایسی چیز کا دعویٰ کرنا ہے، جو ضمان سے بری کر دے۔ پس بغیر دلیل اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور دلیل، امانت والے کا اقرار ہے یا اس پر گواہ ہیں۔"

(المحیط البرہانی، کتاب الودیعة، الفصل السابع فی رد الودیعة، ج 06، ص 328، کوئٹہ)

(ل) اسی طرح اگر یہ دعویٰ کرے کہ "میں نے امانت اجنبی کے پاس بطور امانت رکھ دی تھی، پھر اس نے مجھے واپس کر دی تھی اور میرے پاس آکر ضائع ہو گئی۔" تو اس صورت میں بھی سبب تاوان کا پایا جانا یقینی ہے اور تاوان سے بری ہونا مشکوک توجب تک گواہ یا مالک کا اقرار نہ ہو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اس پر تاوان لازم آئے گا۔

محیط برہانی میں ہے: "والحجة إقرار رب الودیعة، أو البينة، فإن قال: بعثت بها إليك مع هذا الأجنبي، أو قال: استودعتها إياها، ثم ردها علي، فضاغت عندي لا يصدق علي ذلك إلا بحجة؛ لأنه أقرب بسبب الضمان وادعی ما يبرئه، هذه المسائل في «الأصل». "ترجمہ: اور دلیل، امانت کے مالک کا اقرار ہے یا گواہ ہیں، پس اگر کہے کہ میں نے امانت اس اجنبی کے ساتھ تیری طرف بھیجی۔ یا کہے: میں نے اس کے پاس بطور امانت رکھوائی تھی پھر اس نے مجھے واپس کر دی اور میرے پاس آکر ضائع ہوئی۔ تو بغیر دلیل کے اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے اور جو چیز اسے ضمان سے بری کرے گی، اس کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ مسائل کتاب الاصل میں ہیں۔"

(المحیط البرہانی، کتاب الودیعة، الفصل السابع فی رد الودیعة، ج 06، ص 328، کوئٹہ)

(م) مستعیر (عاریت کے طور پر چیز لینے والے) کے پاس ایک شخص آکر یہ کہتا ہے کہ: "فلاں شخص سے فلاں چیز میں نے عاریت لی ہے اور وہ تمہارے یہاں ہے، اُس نے کہہ دیا ہے کہ تم وہاں سے لے لو،" مستعیر نے

اُس کو وکیل سمجھ کر چیز سے دے دی، مالک نے انکار کیا، کہتا ہے: ”میں نے اُس سے یہ نہیں کہا تھا،“ تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا اور اس شخص سے واپس بھی نہیں لے سکتا جبکہ اُس کی تصدیق کی تھی ہاں اگر اُس کی تصدیق نہیں کی تھی یا تکذیب کی تھی یا شرط کر دی تھی کہ ہلاک ہوئی تو تاوان دینا ہوگا۔ ان تمام صورتوں میں جو کچھ مستعیر نے تاوان دیا ہے، اُس سے وصول کر سکتا ہے۔

### عاریت کے متعلق متعدد کلیہ:

اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب مستعیر (عاریت کے طور پر چیز لینے والا) ایسا تصرف کرے جو تاوان لازم کرنے والا ہو اور دعویٰ یہ کرے کہ مالک کی اجازت سے میں نے کیا ہے اور مالک اس کو جھٹلائے، تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا، ہاں اگر گواہوں سے مالک کی اجازت ثابت کر دے تو تاوان سے بری ہے۔

ردالمحتار میں ہے: " جاء رجل إلى مستعير وقال: إني استعرت دابة عندك من ربها فلان فأمرني بقبضها فصدقه ودفعها ثم أنكر المعير أمره ضمن المستعير ولا يرجع على القابض، فلو كذبه أو لم يصدقه أو شرط عليه الضمان فإنه يرجع، قال: وكل تصرف هو سبب للضمان لو ادعى المستعير أنه فعله بإذن المعير وكذبه المعير ضمن المستعير ما لم يبرهن فصولين. " ترجمہ: مستعیر (عاریت لینے والے) کے پاس ایک شخص آکر کہتا ہے: ”تیرے پاس فلاں شخص کا جو جانور ہے، وہ میں نے اس سے بطور عاریت لیا ہے اور اس نے مجھے کہا ہے کہ اس پر قبضہ کر لو۔“ پس اس نے اس کی تصدیق کی اور جانور اس کو دے دیا۔ پھر مالک نے اس کا انکار کیا، کہا کہ ”میں نے اس کو یہ حکم نہیں دیا تھا۔“ تو مستعیر ضامن ہوگا اور اس شخص سے تاوان کی رقم نہیں لے سکتا، البتہ اگر اس کو جھٹلایا تھا یا اس کی تصدیق نہیں کی تھی یا اس پر ضمان کی شرط لگائی تھی، تو اس سے ضمان لے سکتا ہے۔ فرمایا: ہر وہ تصرف جو ضمان لازم کرے اور مستعیر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے مالک کی اجازت سے کیا ہے اور مالک اس کو جھٹلائے، تو مستعیر ضامن ہوگا، جب تک گواہ قائم نہ کرے۔

### (5) متعدد:

#### "الحادث يضاف إلى أقرب أوقاته"

قاعدہ یہ ہے کہ نوپیدا چیز کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے وقت

میں اس کا پایا جانا مشکوک ہے۔

شرح مجلہ میں ہے: "والحادث الذی هو موضوع البحث هنا من الصفات العارضة ایضاً"

ترجمہ: اور وہ حادث جو یہاں موضوع بحث ہے۔ وہ بھی صفات عارضہ میں سے ہے۔

(شرح المجلة، جلد 01، صفحہ 32، کوئٹہ)

(الف) کسی نے اپنے کپڑے میں (جسے صرف وہی استعمال کرتا ہے، اس میں) منی پائی اور معلوم نہیں کہ

کب سے لگی ہے، تو آخری نیند یا آخری جماع کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

(ب) اگر کپڑے پر خون لگا پایا تو جب سے دیکھتا تب سے ناپاک قرار پائے گا۔

(ج) نجاست مغنظہ درہم سے زیادہ کپڑے پر لگی نظر آئی تو جس وقت نظر آئی اسی وقت سے کپڑا ناپاک

قرار پائے گا۔

(د) اگر وہ کپڑا ایسا ہے، جسے اس کے علاوہ کوئی اور بھی استعمال کرتا ہے تو ایسی صورت میں منی کا حکم بھی

خون اور دوسری نجاست جیسا ہے کہ جس وقت پہنچنے کا یقین ہو اس وقت سے ناپاک قرار پائے گا۔

محیط برہانی میں ہے: "وذكر ابن رستم في «نوادره»: إن وجد منياً في ثوبه يعيد الصلاة من

آخر نومة نامہا فيه، وعن ابن رستم رحمه الله أيضاً: إن وجد في ثوبه منياً يعيد الصلاة من آخر ما

احتلم، أو جامع فيه، وإن رأى دمًا لا يعيد حتى يتيقن أنه صلي وهو فيه، هذا إذا كان ثوباً يلبسه

بنفسه، وإن كان الثوب قد يلبسه غيره، فالنظفة والدم في ذلك سواء لا يلزمه الإعادة حتى

يتيقن بوقت الإصابة" ترجمہ: ابن رستم رحمہ اللہ علیہ نے اپنی نوادر میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کی کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں میں منی پائے تو وہ اپنی آخری نیند سے لے کر اب تک کی نمازوں کا اعادہ

کرے اور ابن رستم رحمہ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے: اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں میں منی پائے تو وہ اپنے آخری

احتلام یا آخری جماع سے لے کر اب تک کی نمازوں کا اعادہ کرے اور اگر اپنے کپڑوں پر خون دیکھے تو اعادہ نہ

کرے جب تک اس بات کا یقین نہ ہو کہ جب نماز پڑھی تھی تب بھی لگا ہوا تھا۔ یہ اس وقت ہے کہ جب وہ کپڑا

صرف وہی پہنتا ہے اور اگر وہ کپڑا کوئی دوسرا بھی پہنتا ہے تو اس میں منی اور خون دونوں برابر ہیں۔ نماز کا اعادہ

لازم نہیں ہوگا حتیٰ کہ ان کے کپڑوں کو لگنے کا یقینی وقت معلوم ہو جائے۔ (محیط برہانی، ج 02، ص 32، کوئٹہ)

تیسین الحقائق میں ہے: "وذكر ابن رستم إن وجد في ثوبه منيا أعاد من آخر نومة نامها لدشك فيما قبله" ترجمہ: ابن رستم رحمہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں میں منی پائے تو وہ اپنی آخری نیند سے لے کر اب تک کی نمازوں کا اعادہ کرے، اس سے پہلے وقت میں شک کی وجہ سے۔

(تیسین الحقائق، ج 01، ص 31، مطبوعہ ملتان)

در مختار میں ہے: "وجد في ثوبه منيا أو بولا أو دما أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف." ترجمہ: اگر کپڑے پر منی یا پیشاب یا خون پایا تو اپنے آخری احتلام اور پیشاب اور نکسیر پھوٹنے سے لے کر اب تک کی نمازوں کا اعادہ کرے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قوله ورعاف) هذا ظاهر إذا وقع له رعاف ولم يبسناو احكم ما إذا لم يقع له ولأجل هذا - والله تعالى أعلم - روى ابن رستم أن الدم لا يعيد فيه؛ لأن دم غيره قد يصيبه فالظاهر أن الإصابة لم تتقدم زمان وجوده، بخلاف المنى؛ لأن مني غيره لا يصيب ثوبه فالظاهر أنه منيه، فيعين وجوده من وقت وجود سبب خروجه حتى لو كان الثوب مما يلبسه هو وغيره يستوي فيه حكم المنى والدم. واختار في المحيط ما رواه ابن رستم ذكره في البحر وقوله فالظاهر أن الإصابة الخ لا يظهر في الجاف ط. وفي السراج: لو وجد في ثوبه نجاسة مغلظة أكثر من قدر الدرهم ولم يعلم بالإصابة لم يعد شيئاً بالإجماع وهو الأصح. اهـ. قلت: وهذا يشمل الدم، فيقتضي أن الأصح عدم الإعادة مطلقاً تأمل" ترجمہ (مصنف کا قول: اور آخری نکسیر سے اعادہ کرے) یہ اس صورت میں تو ظاہر ہے جب نکسیر پھوٹی ہو اور اس کا حکم بیان نہیں کیا جب نکسیر نہ پھوٹی ہو (لیکن کپڑے پر خون پائے) اللہ بہتر جانتا ہے، شاید اسی وجہ سے ابن رستم رحمہ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ کپڑے پر خون دیکھنے کی صورت میں نماز کا اعادہ نہیں ہوگا کیونکہ کبھی دوسرے شخص کا خون لگ جاتا ہے، پس ظاہر یہی ہے کہ جس وقت خون پایا یعنی نظر آیا، وہ اسی وقت لگا ہے۔ برخلاف منی کے کیونکہ دوسرے کی منی اس کے کپڑوں کو نہیں لگتی، پس ظاہر یہی ہے کہ یہ اسی کی منی ہے۔ لہذا جس وقت منی نکلنے کا سبب (نیند یا جماع) پایا گیا، اسی وقت سے منی کپڑے پر لگنے کا حکم لگایا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کپڑا ایسا ہے کہ یہ بھی پہنتا ہے اور کوئی دوسرا بھی پہنتا ہے، تو اس میں بھی خون اور منی کا حکم برابر ہے۔ (یعنی جس وقت منی دیکھے گا اسی وقت سے لگنے

کا حکم لگایا جائے گا۔) اور محیط میں اس کو اختیار کیا ہے، جو ابن رستم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اس کو بحر میں ذکر کیا ہے اور اس کا قول: ظاہر یہ ہے کہ اس کا پہنچنا لُح۔۔۔ خشک میں ظاہر نہیں ہے اور سراج میں ہے: اگر کسی نے اپنے کپڑوں پر نجاست غلیظہ درہم کی مقدار سے زائد پائی اور یہ معلوم نہیں کہ کب لگی تو بالاجماع کسی چیز کا اعادہ نہیں کرے گا اور یہی اصح ہے۔ میں کہتا ہوں: اور یہ خون کو بھی شامل ہے۔ پس اس کا تقاضا ہے کہ مطلقاً اعادے کا نہ ہونا اصح ہے۔ غور و فکر کرو۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، فصل فی البیض ج 01، ص 460، کوئٹہ)

(د) سوتے وقت عورت پاک تھی اور صبح سو کر اٹھی تو حیض کا اثر دیکھا، تو اسی وقت سے حیض کا حکم دیا جائے گا، عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو پاک ہونے پر اس کی قضا فرض ہے۔ کیونکہ خون حادث یعنی بعد میں پائی جانے والی چیز ہے اور حادث میں اصل یہ ہے کہ اسے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور قریبی وقت سو کر اٹھنے کا ہے۔

در مختار میں ہے: "وفي الفيض: لو نامت طاهرة وقامت حائضة حکم بحیضها منذ قامت" ترجمہ: اور فیض میں ہے: اگر پاکی کی حالت میں سوئی تھی اور حیض کی حالت میں اٹھی، تو جب سے اٹھی ہے اسی وقت سے حیض کا حکم دیا جائے گا۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "لأن الدم حادث والأصل فيه أن يضاف إلى أقرب أوقاته فتجعل حائضا منذ قامت" ترجمہ: کیونکہ خون حادث (بعد میں پائی جانے والی چیز) ہے اور حادث کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اس کو قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس جب سے اٹھی ہے، اسی وقت سے حائضہ قرار دیا جائے گا۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، باب الحيض، ج 01، ص 533، کوئٹہ)

(د) کسی مسلمان کا انتقال ہوا، جس کی بیوی ذمیہ تھی، اس کی وفات کے بعد اس کی بیوی اس کے ورثاء سے کہتی ہے کہ "جبکہ ورثاء کہتے ہیں کہ "تو اس کی وفات کے بعد اسلام لائی ہے۔ لہذا تو وراثت کی حقدار نہیں۔ (کیونکہ جس وقت وہ فوت ہوا، اس وقت تیرا اور اس کا دین مختلف تھا اور دین مختلف ہونے سے ایک دوسرے کی وراثت نہیں ملتی)"

تو اس صورت میں ورثاء کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ اس کا کافر ہونا یقینی تھا پھر اسلام لانا حادث ہو اور اس

میں شک و اختلاف ہے اور حادث کو اس کے سب سے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہاں دو اوقات کی طرف نسبت ہو رہی ہے، بیوی کے بیان میں وفات سے پہلے کی طرف اور ورثاء کے بیان میں وفات کے بعد کی طرف، اور وفات کے بعد والا وقت زیادہ قریبی ہے، لہذا اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

در مختار میں ہے: "(مسلم مات فقالت عرسہ) الذمیۃ (أسلمت قبل موته) فأرثہ (وقالوا بعدہ) فالقول لہم لأن الحادث یضاف لأقرب أوقاته۔" ترجمہ: مسلمان کے فوت ہونے کے بعد اس کی ذمیہ بیوی نے کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی، لہذا میں وارث بنوں گی اور ورثاء کہتے ہیں: اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہے۔ تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا کیونکہ نوپیدا چیز کو قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار کتاب القضاء، ج 08، ص 185، کوئٹہ)

(و) ایک شخص پہلے درست تھا، بعد میں اسباب حجر (یعنی لین دین وغیرہ تصرفات سے روکنے کے اسباب) میں سے کوئی سبب پایا گیا تو قاضی نے اس پر حجر (ممانعت کو) لاحق کر دیا، ایک شخص اس سے خریداری کر چکا تھا، وہ اس سے کہتا ہے کہ "میں نے حجر (ممانعت) کا فیصلہ ہونے سے پہلے تجھ سے خریداری کی تھی۔" جبکہ بیچنے والا کہتا ہے کہ "حجر کا فیصلہ ہونے کے بعد کی ہے۔" تو اس صورت میں بیچنے والے کی بات ہی معتبر ہوگی۔ کیونکہ بیچنا، حادث فعل ہے تو اسے زیادہ قریبی وقت کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا اور زیادہ قریبی وقت، حجر کے بعد کا ہی ہے۔

(ز) اسی طرح اگر اس سے حجر ختم کر دیا گیا، اب خریدار دعویٰ کرتا ہے کہ "میں نے حجر ختم ہونے کے بعد تجھ سے خریداری کی ہے۔" اور وہ شخص کہتا ہے کہ: "حالت حجر میں کی تھی۔" تو خریدار کی بات معتبر ہوگی کہ وہ زیادہ قریبی وقت کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

العقود الدریتہ میں ہے: "رجل کان صالحا ففسد وحجر القاضی علیہ وقد کان إنسانا اشتري منہ شیئا فقال المشتري كنت اشتريته قبل الحجر علیک وقال لابل بعد الحجر علی فالقول قول المحجور علیہ؛ لأن البیع حادث فیضاف إلی أقرب الأحوال۔۔۔ وکذا لو أطلق عنہ الحجر ثم قال اشتريته مني في حالة الحجر وقال المشتري اشتريته منك بعد الإطلاق فالقول قول المشتري وذلك لما قلنا إنه يدعي أمرا حادثا فیضاف إلی أقرب الأوقات" ترجمہ: ایک شخص ٹھیک

تھا، پھر اس میں بگاڑ آگیا اور قاضی نے اسے مجبور (یعنی لین دین وغیرہ معاملات سے منع) کر دیا۔ ایک بندے نے اس سے کوئی چیز خریدی تھی۔ خریدار کہتا ہے: میں نے تجھ پر حجر (ممانعت) کا حکم ہونے سے پہلے خریدی تھی۔ وہ کہتا ہے: نہیں بلکہ حجر کا حکم ہونے کے بعد خریدی ہے۔ تو مجبور کا قول معتبر ہوگا کیونکہ بیع حادث ہے لہذا اسے قریبی حال کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اسی طرح اگر اس سے حجر کا حکم ختم ہو گیا، پھر کہتا ہے: ”تم نے مجھ سے حجر کی حالت میں اسے خریدا“ اور خریدار کہتا ہے: ”میں نے تم سے حجر ختم ہونے کے بعد اسے خریدا۔“ تو خریدار کی بات معتبر ہوگی اور یہ ہم نے اس وجہ سے کہا ہے کہ وہ ایک نوپیدا یعنی بعد میں پیدا ہونے والی چیز کا دعویٰ کر رہا ہے۔ پس اسے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

(العقود الدرية، کتاب السبوع، ج 01، ص 457، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(ح) ایک چیز کی خریداری میں دو آدمیوں کا اختلاف ہو۔ دونوں کا دعویٰ ہے کہ ”میں نے اسے مالک سے خریدا ہے“ دونوں نے گواہ قائم کر دیئے، اگر ایک کے گواہوں نے تاریخ بیان نہیں کی اور دوسرے کے گواہوں نے تاریخ بیان کی تو تاریخ والے کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ ”جس کے گواہوں نے ملکیت کا وقت بیان کر دیا تو اس کی بات تو اسی وقت سے معتبر ہوگی اور جس کے گواہوں نے وقت بیان نہیں کیا تو اس کا دعویٰ حالیہ وقت کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ خریداری حادث ہے اور حادث کے وقت حدوث کے متعلق جب کنفرم معلوم نہ ہو، تو وہ سب سے قریبی وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے، لہذا اب ایک کا دعویٰ سابقہ وقت میں خریداری کا ہو گیا اور دوسرے کافی الحال اور جس کا وقت پہلے ہو اس کی بات معتبر ہوتی ہے، لہذا اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

فتح القدیر میں کافی کے حوالے سے ہے: ”ولو وقتت إحداهما ولم تؤقت الأخرى قضی به لصاحب الوقت لأنه یشبت له الملك في ذلك الوقت والذي لم يؤقت یشبت ملكه في الحال لأن شراءه حادث فیضاف حدوثه إلى أقرب الأوقات ما لم یشبت التاريخ فکان شراء المؤقت سابقا فکان أولى انتھی.“ ترجمہ: اگر ایک کے گواہ وقت بیان کر دیں اور دوسرے کے گواہ وقت بیان نہ کریں، تو جس کے گواہ وقت بیان کریں، اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے لیے اس یعنی گواہوں کے بیان کردہ وقت میں ملکیت ثابت ہوگی اور جس کے گواہ وقت بیان نہ کریں تو اس کی ملکیت فی الحال ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس کا خریدنا حادث ہے، پس جب تک تاریخ ثابت نہیں ہوتی، اس کے پائے جانے کو قریبی

وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ پس جس کی خریداری کا وقت بیان کیا گیا ہے، اس کی خریداری پہلے پائی گئی ہے لہذا وہی زیادہ حقدار ہے۔ صاحب کافی کا کلام ختم ہوا۔

(فتح القدیر، کتاب الدعوی، باب ما یدعیہ الرجلان، ج 08، ص 264، کوئٹہ)

(ط) ایک عورت فوت ہوئی، اس کا زید کے ذمہ مخصوص و معلوم مقدار میں قرض تھا، اس نے شوہر اور اس شوہر سے ایک بیٹی چھوڑی اور سابقہ شوہر (جو فوت ہو چکا تھا، اس) سے تین بچے چھوڑے، پھر سابقہ شوہر کے تین بچوں میں دو بچے فوت ہو گئے جن کا وارث ایک دادا ہے، وہ دعویٰ کرتا ہے کہ عورت نے اپنی صحت میں یہ اقرار کیا تھا کہ زید کے ذمہ جو قرض ہے، وہ میرے پہلے شوہر کی اولاد کا ہے اور دستاویز میں جو میرا نام لکھا ہے، وہ عارضی طور پر ہے، دوسرا شوہر کہتا ہے کہ عورت نے یہ دعویٰ مرض الموت میں کیا تھا، تو ایسی صورت میں دوسرے شوہر کی بات معتبر ہوگی کیونکہ یہ بعد والے زمانے کی طرف دعویٰ کی نسبت کر رہا ہے اور دعویٰ حادث ہے اور حادث کو سب سے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ہاں اگر دادا اپنا دعویٰ گواہوں سے ثابت کر دے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

(ی) اسی طرح اگر ایک دعویٰ کرے کہ میت نے حالت صحت میں یہ چیز بیچی تھی اور دوسرا دعویٰ کرے کہ حالت مرض میں بیچی تھی۔ تو جو حالت مرض میں بیچنے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی بات معتبر ہوگی، کہ وہ قریبی وقت بیان کرتا ہے لہذا اسی کی طرف بیچنے کی نسبت کی جائے گی۔

العقود الدریۃ میں ہے: "(سئل) فیما إذا ماتت امرأة عن زوج و بنت صغيرة منه و عن أولاد ثلاثة آخرين من زوج آخر مات قبلها ولها مبلغ دين معلوم بذمة زید ثم مات اثنان من الأولاد المزبورین عن جد لأب یدعی أن المرأة أقرت في صحتها أن الدين المزبور لأولادها الآخرين وأن اسمها في صك الدين عارية ولا بينة له على الإقرار في الصحة والزوج ينكر ذلك و یدعی أن الإقرار كان في مرض موتها فهل يكون القول للزوج بيمينه في ذلك أم لا؟"

(الجواب): البينة على مدعي صدور ذلك في الصحة والقول لمن یدعیه في المرض بيمينه إذا الحادث يضاف إلى أقرب أوقاته كما أفتى به الخیر الرملي في كتاب البيوع من فتاواه حيث أجاب بأن البينة على مدعي البيع في الصحة والقول لمن یدعیه في المرض بيمينه إذا



الحادث یضاف الی أقرب أوقاته. "ترجمہ: اس عورت کے بارے میں سوال ہوا، جو شوہر اور اس سے ایک چھوٹی بیٹی چھوڑ کر فوت ہو گئی اور اس کے علاوہ بھی اس کے دوسرے شوہر سے جو پہلے ہی فوت گیا تھا، تین بچے ہیں۔ اس عورت کا زید کے ذمہ کچھ معین و معلوم قرض ہے پھر اوپر مذکور اولاد میں سے دو بچے، دادا چھوڑ کر فوت ہو گئے۔ ان کے دادا نے دعویٰ کیا کہ عورت نے اپنی صحت کی حالت میں یہ اقرار کیا تھا کہ دین مذکور اس کی دوسری اولاد کا ہے (جو پہلے شوہر سے ہے، جس کا انتقال اس عورت کی زندگی میں ہو گیا تھا)۔ اور قرض کی رسید پر جو میرا نام لکھا ہے، وہ عارضی ہے۔ اور اس کے پاس عورت کے حالت صحت میں اقرار پر کوئی گواہ نہیں ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اقرار مرض الموت میں تھا تو کیا شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا یا نہیں؟

جواب: گواہ اس کے معتبر ہیں، جو حالت صحت میں اس اقرار کے واقع ہونے کا دعویٰ کرے اور قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہے، جو مرض الموت میں اقرار ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ حادث (نو پیدا چیز) کو قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خیر ملی نے اپنے فتاویٰ کی کتاب البیوع میں فتویٰ دیتے ہوئے جواب دیا ہے کہ ”جو حالت صحت میں بیع کا مدعی (دعویدار) ہے، گواہ اس پر لازم ہیں اور جو مرض میں بیع کا مدعی ہے، اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ کیونکہ حادث کو قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔“

(العقود الدریة، باب اقرار المریض، ج 02، ص 98، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اوپر ذکر کردہ قاعدے کی استثنائی صورت:

**بعض اوقات حادث کو قریبی وقت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا:**

بعض اوقات کوئی شخص حادث کو قریبی وقت کی طرف منسوب کرے گا لیکن اس کی بات معتبر نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اس کے مقابل دوسرا قوی اصول موجود ہو گا لہذا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے: "قاضی نے عہدے سے معزول (ریٹائرڈ) ہونے کے بعد کسی شخص سے کہا کہ میں نے تمہاری رقم لے کر فلاں کو دے دی تھی یا تمہارے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے یہ معزول ہونے کے بعد کیا ہے (جس کا مطلب ہے کہ آپ پر تاوان لازم ہے کہ آپ یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتے تھے)۔ جبکہ قاضی کا کہنا ہے کہ میں نے قاضی ہونے کی حالت میں ایسا کیا تھا (لہذا مجھ پر تاوان نہیں، کہ مجھے ایسا فیصلہ کرنے

کاحق تھا) تو ایسی صورت میں اس شخص کا دعویٰ قریبی وقت یعنی معزول ہونے کے بعد کی طرف منسوب ہے، اس کے باوجود بھی اس کا دعویٰ قبول نہیں کیونکہ یہاں اس کے مقابل یہ اصول ہے کہ تاوان کے منکر کا قول معتبر ہوتا ہے، اور تاوان سے منکر یہاں پر قاضی ہے، لہذا قاضی کی بات ہی معتبر ہوگی۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے: "وإذا عزل القاضي، فقال لرجل: أخذت منك ألفاً ودفعتها إلى فلان قضيت بها عليك فقال: الرجل أخذتها ظلماً، فالقول قول القاضي، وكذا لو قال: قضيت بقطع يدك في حق هذا... ولو زعم المقطوع يده أو المأخوذ ماله أنه فعل ذلك قبل التقليد أو بعد العزل، فالقول للقاضي أيضاً، وهو الصحيح لأنه أسند فعله إلى حالة معهودة منافية للضمان" ترجمہ: اور قاضی نے معزول (ریٹائرڈ) ہونے کے بعد ایک شخص سے کہا: میں نے تجھ سے ایک ہزار لے کر فلاں کو دیے اور تیرے خلاف فیصلہ کیا۔ وہ شخص کہتا ہے: "تم نے وہ مال مجھ سے ظلماً لیا تھا" تو قاضی کا قول معتبر ہوگا اور اسی طرح اگر قاضی نے کہا: "میں نے اس کے حق کی وجہ سے تیرے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا۔" اور جس کا ہاتھ کاٹا گیا یا جس سے مال لیا گیا، اگر وہ گمان کرے کہ اس نے قاضی بننے سے پہلے یا معزول (ریٹائرڈ) ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے، تو قاضی کا قول معتبر ہوگا اور یہی صحیح ہے کیونکہ وہ اپنے فعل کو معروف حالت کی طرف منسوب کر رہا ہے جو ضمان کے منافی ہے۔

### (6) فتاویٰ:

"الأصل في الأشياء الإباحة" (اشیاء میں اصل اباحت ہے۔)

لہذا جب تک کسی چیز کی حرمت پر دلیل قائم نہ ہو تو اسے حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔

(الف) اسی سے علمائے کرام نے تمباکو نوشی کی اجازت کا حکم نکالا کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے

۔ لہذا یہ اپنی اصل اباحت پر باقی رہے گی۔

ردالمحتار میں ہے: "أقول: وصرح في التحرير بأن المختار أن الأصل الإباحة عند الجمهور

من الحنفية والشافعية اهد وتبعه تلميذه العلامة قاسم، وجرى عليه في الهداية من فصل

الحداد، وفي الخانية من أوائل الحظر والإباحة. وقال في شرح التحرير: وهو قول معتزلة البصرة

وكثير من الشافعية وأكثر الحنفية لاسيما العراقيين. قالوا: وإليه أشار محمد فيمن هدد بالقتل

على أكل الميتة أو شرب الخمر فلم يفعل حتى قتل بقوله: خفت أن يكون آثماً؛ لأن أكل الميتة وشرب الخمر لم يحرم إلا بالنهي عنهما، فجعل الإباحة أصلاً والحرمة بعارض النهي. اهـ. ونقل أيضاً أنه قول أكثر أصحابنا وأصحاب الشافعي الشيخ أكمل الدين في شرح أصول البزدوي، وبه علم أن قول الشارح في باب استيلاء الكفار أن الإباحة رأيت المعتزلة فيه نظر، فتدبر "ترجمہ: میں کہتا ہوں: اور کتاب "التحریر" میں اس بات کی صراحت ہے کہ مختار یہ ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اباحت ہے اور علامہ ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم نے بھی ان کی ہی اتباع کی ہے اور ہدایہ کی "فصل الحداد" میں اور خانیہ کے حظ و اباحت کے شروع میں یہی بیان فرمایا ہے اور "التحریر" کی شرح میں فرمایا: اور یہی قول بصرہ کے معتزلہ اور کثیر شوافع اور اکثر احناف خصوصاً اہل عراق کا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اور اسی کی طرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں اشارہ فرمایا، جس میں "ایک شخص کو مردار کھانے یا شراب پینے پر قتل کی دھمکی دی گئی، تو اس نے ایسا نہ کیا حتیٰ کہ قتل ہو گیا۔" اپنے اس قول کے ساتھ کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ وہ گنہگار ہو گا کیونکہ مردار کھانا اور شراب پینا صرف شریعت مطہرہ کے حرام کرنے کی وجہ سے حرام ہیں۔" پس اس قول میں امام محمد علیہ الرحمۃ نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت، ممانعت کرنے کے عارضے کی وجہ سے قرار دی۔ شیخ اکمل الدین نے شرح اصول بزدوی میں بھی نقل کیا ہے کہ "ہمارے اکثر اصحاب اور امام شافعی کے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے" اور اسی سے معلوم ہو گیا کہ "استيلاء الكفار" کے باب میں شارح کا قول: "اباحت کا اصل ہونا معتزلہ کی رائے ہے۔" اس میں نظر ہے۔ پس غور و فکر کرو۔

(ردالمحتار مع الدر المختار، سنن الوضوء، ج 01، ص 234، کوئٹہ)

تمباکو نوشی کے حوالے سے ردالمحتار میں ہے: "قلت: وألف في حله أيضا سيدنا العارف عبد الغني النابلسي رسالة سماها (الصلح بين الإخوان في إباحة شرب الدخان) وتعرض له في كثير من تآليفه الحسان، وأقام الطامة الكبرى على القائل بالحرمة أو بالكرهية فإنهما حكمان شرعيان لا بد لهما من دليل ولا دليل على ذلك فإنه لم يثبت إسكاره ولا تفتيره ولا إضراره، بل ثبت له منافع، فهو داخل تحت قاعدة الأصل في الأشياء الإباحة" ترجمہ: میں کہتا ہوں: تمباکو نوشی کے حلال ہونے کے متعلق سیدنا عارف باللہ علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ تحریر کیا ہے، جس کا

نام ہے "الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان" اور اپنی بہت سی خوبصورت تصنیفات میں اس مسئلے کو بیان کیا ہے اور اس کو حرام یا مکروہ کہنے والے پر بڑی قیامت ڈھائی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں (حرام اور مکروہ) شرعی حکم ہیں، جن کے لیے دلیل ضروری ہے اور اس کے حرام یا مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ اس سے نشہ ہونا ثابت ہے اور نہ ہی دماغ میں فتور آنا ثابت ہے اور نہ اس کا ضرر دینا ثابت ہے، بلکہ اس کے منافع ثابت ہیں۔ پس یہ اس قاعدے کے تحت داخل ہے کہ "اصل اشیاء میں اباحت ہے۔"

(ردالمحتار مع الدر المختار، سنن الوضوء، ج 10، ص 49، کوئٹہ)

## اس قاعدے سے مستثنیٰ قواعد:

### (1) قاعدہ:

"الاصل فی الابضاع الحرمة" (شرمگاہوں میں اصل حرمت ہے۔)

اوپر جو قاعدہ بیان ہوا کہ: "اصل اشیاء میں اباحت ہے۔" اس سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں، ان میں سے ایک شرمگاہوں کا معاملہ ہے کہ اس میں اصل حرمت ہے۔

چنانچہ تبیین الحقائق میں ہے: "الأصل فی الابضاع الحرمة" ترجمہ: شرمگاہوں میں اصل حرمت یعنی ان کا حرام ہونا ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الوکالۃ، ج 04، ص 257، مطبوعہ ملتان)

درج ذیل تفصیل اسی پر مبنی ہے:

(الف) طلاق رجعی کے بعد عدت گزارنے والی نے تیسرے حیض کے بعد غسل کیا (یعنی جبکہ تیسرا حیض دس دن سے کم کا تھا) اور کوئی جگہ ایک عضو سے کم مثلاً بازو یا کلائی کا کچھ حصہ یا دو ایک انگلی بھول گئی، جہاں پانی پہنچنے نہ پہنچنے میں شک ہے تو رجعت ختم ہو گئی مگر دوسرے سے نکاح اس وقت کر سکے گی کہ اس جگہ کو دھولے یا نماز کا وقت اس طور پر گزر جائے کہ نماز اس کے ذمہ قضا ہو جائے۔

یہاں رجعت ختم ہونے کے معاملے میں تو یہ احتمال قبول کیا گیا کہ ہو سکتا ہے دھولیا ہو لیکن وہ خشک ہو گیا، کیونکہ عضو سے کم حصہ کا جلد خشک ہو جانا بعید نہیں ہے لیکن آگے نکاح حلال ہونے کے لیے دھونے یا نماز کا وقت گزرنے کا قول کیا گیا اور اس میں یہ احتمال قبول نہ کیا گیا، تو اس کی وجہ دونوں مقام پر فروع کے معاملے میں احتیاط کو اختیار کرنا ہے۔



کتاب الاصل میں ہے: "ولا يجوز التحري في الفروج" ترجمہ: اور فروج (شرمگاہوں) میں تحری

جائز نہیں ہے۔ (الاصل، کتاب التحری، ج 03، ص 34، کراچی)

اسی پر یہ مسائل متفرع ہیں:

(الف) اگر کسی نے دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کیا لیکن یہ نہیں پتا کہ ان میں سے کون سا عقد پہلے تھا، تو اس شخص میں اور ان دونوں بہنوں میں تفریق کر دی جائے گی اور تحری نہیں کی جائے گی۔

تبیین الحقائق میں ہے: "قال - رحمه الله - (ولو تزوج أختين في عقدين ولم يدرا الأولى فرق بينه وبينهما)؛ لأن نكاح إحداهما بطل بيقين ولا وجه إلى التعيين لعدم الأولوية، والترجيح من غير مرجح لا يجوز، ولا إلى التنفيذ مع الجهالة لعدم الفائدة؛ إذ لا يمكنه الاستمتاع بواحدة منهما أو للضرر عليه وعليها بإلزام النفقة والكسوة من غير قضاء حاجة، وتصير المرأة كالمعلقة، وهي التي لها زوج قد أعرض عنها، ولا يجوز التحري في الفروج فتعين التفريق" ترجمہ: فرمایا: اور اگر دو عقدوں میں دو بہنوں سے نکاح کیا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس سے کیا تو اس کے اور ان دونوں بہنوں کے درمیان تفریق (جدائی) کر دی جائے گی۔ کیونکہ ان میں سے ایک کا نکاح بالیقین باطل ہے اور کسی کو دوسری پر فوقیت نہ ہونے کی وجہ سے ایک کی تعیین کی کوئی وجہ نہیں، اور بغیر کسی مرجح (ترجیح دینے والے سبب پائے جانے) کے ترجیح دینا جائز نہیں اور نہ جہالت کے ہوتے ہوئے (معلومات نہ ہونے کی وجہ سے) نافذ کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اسے ان میں سے کسی ایک سے بھی نفع اٹھانا، ممکن نہیں، یا اس لیے کہ اس صورت میں مرد کو بھی تکلیف میں مبتلا کرنا ہے کہ اس پر بغیر حاجت پوری کیے، نفقہ اور کپڑے لازم کرنا پایا جائے گا اور عورت کو بھی تکلیف میں مبتلا کرنا ہے کہ عورت لنگی ہوئی کی طرح ہو جائے گی اور لنگی ہوئی وہ ہوتی ہے کہ جس کا شوہر ہو لیکن اس سے منہ پھیرے ہو اور شرمگاہوں میں تحری جائز نہیں ہے، پس ان کے درمیان جدائی کرنا متعین ہو گیا۔

(تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، جلد 02، صفحہ 104، مطبوعہ ملتان)

(ب) اسی طرح اگر کسی نابالغ یا نابالغہ کے دو ولی ایک ہی درجہ کے برابر حق رکھتے تھے اور دونوں نے

علیحدہ علیحدہ افراد سے نکاح کر دیا اور یہ پتا نہیں کہ کس نے پہلے کیا ہے تو دونوں نکاح درست نہیں اور یہاں تحری نہیں کی جاسکتی کہ فروج میں تحری درست نہیں۔

بحر الرائق میں ہے: "وإن وقعاً معاً ساعة واحدة لا يجوز كلاهما ولا واحد منهما وإن كان أحدهما قبل الآخر ولا يدرى السابق من اللاحق فكذلك؛ لأنه لا يجوز لأنه لو جاز جاز بالتحري والتحري في الفروج حرام هذا إذا كان في الدرجة سواء" ترجمہ: اور اگر دونوں کا نکاح اکٹھا ایک ہی وقت میں واقع ہوا، تو نہ ان دونوں کا نکاح جائز ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کا جائز ہے۔ اور اگر ایک کا دوسرے سے پہلے ہوا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ پہلے والا کون سا ہے اور بعد والا کون سا ہے؟ تو بھی یہی حکم ہے کہ جائز نہیں کیونکہ اگر جائز ہوگا تو تحری کے ساتھ جائز ہوگا اور فروج میں تحری حرام ہے۔ یہ جب ہے کہ دونوں ولی درجے میں برابر ہوں۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الاولیا، جلد 03، صفحہ 210، مطبوعہ، کوئٹہ)

## (۲) متاعدہ:

"الأصل في الدماء: الحرمة" (خون بہانے میں اصل حرمت ہے۔)

(الف) اگر کسی نے کسی ایسے شخص کے ساتھ مل کر دوسرے کو قتل کیا کہ جس شخص پر قتل کرنے سے قصاص لازم نہیں ہوتا، جیسے باپ کے ساتھ مل کر اس کے بیٹے کو قتل کیا یا مولا کے ساتھ مل کر اس کے غلام کو قتل کیا یا خاٹی کے ساتھ یا بچے کے ساتھ یا مجنون وغیرہ کے ساتھ مل کر کسی کو قتل کیا، تو اس شریک ہونے والے پر بھی قصاص نہیں ہوگا، کیونکہ خون بہانے میں اصل حرمت ہے، جب تک نص سے ثابت نہ ہو، خون نہیں بہایا جائے گا۔ اور قصاص ثابت کرنے والی نصوص ایسے موقع کے لیے ہیں کہ جہاں کوئی تنہا قتل کرے جس سے قصاص لیا جاسکتا ہو یا زیادہ قتل کریں تو سب سے قصاص لیا جاسکتا ہو جبکہ ہماری صورت میں قاتلین میں سے ایک ایسا ہے کہ جس سے قصاص نہیں لیا جاسکتا تو اس صورت کا ثبوت نص سے نہیں ہو سکتا لہذا اس صورت میں قصاص بھی نہیں ہوگا۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: "قال: (ولا قصاص على شريك الأب والمولى والخاطيء والصبي والمجنون وكل من لا يجب القصاص بقتله)؛ لأنه قتل حصل بسببين: أحدهما غير موجب للقوط وهو لا يتجزى فلا يجب؛ لأن الأصل في الدماء الحرمة، والنصوص الموجبة للقصاص مختصة بحالة الانفراد وموضع يمكن القصاص وهو غير ممكن هنا لعدم التجزي فلا يتناول النص" ترجمہ: فرمایا: اور باپ، مولیٰ، خاٹی (غلطی سے قتل کرنے والے)، بچے اور مجنون کے ساتھ

قتل میں جو شریک ہو، اس پر قصاص نہیں اور ہر اس شخص کے شریک پر بھی قصاص نہیں، جس کے قتل کرنے سے قصاص واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ قتل دو اسباب سے واقع ہوا ہے: جن میں سے ایک ایسا ہے جو قصاص کو ثابت نہیں کرتا اور قصاص متجزی (تقسیم) نہیں ہوتا، پس ان صورتوں میں قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خون بہانے میں اصل حرمت ہے اور قصاص واجب کرنے والی نصوص، تنہا قتل کرنے اور جہاں قصاص ممکن ہو، اس کے ساتھ خاص ہیں اور یہاں عدم تجزی (تقسیم نہ ہونے) کی وجہ سے قصاص ممکن نہیں۔ پس نص اس کو شامل بھی نہیں۔

(الاختیار لتعلیل المختار، ج 05، ص 35-36، کراچی)

### (۳) تاعدہ:

"الاصل فی الذهب والفضة: الحرمة" (سونے چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔)

سونے چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔ لہذا جب تک ان کے استعمال کے کسی خاص طریقے کے متعلق بالکل واضح دلیل موجود نہ ہوگی، اس وقت تک اس کو جائز نہیں کہا جاسکے گا۔

تبیین الحقائق میں سونا چاندی کے متعلق ہے: "الأصل الحرمة فیہما" ترجمہ: سونے چاندی کے

استعمال میں اصل حرمت ہے۔ (تبیین الحقائق، کتاب الکراہیة، فصل: فی اللبس، ج 06، ص 16، ملتان)

(الف) اسی وجہ سے امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے قمیص کے بٹنوں کے ساتھ لٹکائی جانے والی چاندی کی

زنجیر کا استعمال کرنا، جائز قرار نہیں دیا کہ اس کی اجازت کی صراحت موجود نہیں اور سونا چاندی میں اصل

حرمت ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "یہ چاندی کی زنجیریں کہ بوتاموں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں سخت

محل نظر ہیں، کلمات ائمہ سے جب تک ان کے جواز کی دلیل واضح کہ آفتاب روشن کی طرح ظاہر و جلی ہو، نہ ملے

حکم جواز دینا محض جرأت ہے کہ چاندی سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق

محدث دہلوی قدس سرہ، اشعة الملعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "اصل در استعمال ذہب و فضہ

حرمت است" (سونے اور چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔) یعنی جب شرع مطہر نے حکم تحریم فرما

کر ان کی اباحت اصلیه کو نسخ کر دیا، تو اب ان میں اصل حرمت ہو گئی کہ جب تک کسی خاص چیز کی رخصت شرع

سے واضح و آشکار نہ ہو، ہر گز اجازت نہ دی جائے گی بلکہ مطلق تحریم کے تحت میں دخل رہے گی ہذا



وجہ۔ واقول: ثانیاً: ظاہر ہے کہ ان زنجیروں کے اس طرح لگانے سے تزیین مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ تزیین ہی مقصود ہوتا ہے اور ایسے ہی تزیین کو تحلی کہتے ہیں، اور علماء تصریح فرماتے ہیں: مرد کو سیاہ لگوٹھی، پیٹی اور تلوار کے سامان، مثل پر تلے وغیرہ کے، چاندی سے تحلی کسی طرح جائز نہیں، تنویر الابصار میں فرماتے ہیں: "لا یتحلی ای لایتزین درر" (چاندی کا کوئی زیور (سوائے مخصوص اشیاء کے) نہ پہنے یعنی اس سے زیب وزینت کا فائدہ نہ اٹھائے۔ درر۔) جب یہ زنجیریں مستثنیات سے خارج ہیں تو لاجرم حکم نہیں میں داخل ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 22، صفحہ 112، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

### (۴) متاعہ

مضار و خبائث (نقصان دہ اور خبیث چیزوں) میں اصل حرمت ہے۔

(۱) مضار یعنی نقصان دہ اشیاء کے حوالے سے تفصیل:

(الف) اتنی مقدار میں مٹی کھانا حرام ہے کہ غالب گمان ہو کہ یہ بیمار کر دے گی یا کسی اور طرح نقصان دے گی۔

(ب) یہی حکم ہر نقصان دہ چیز استعمال کرنے کا ہے۔

(ج) یہاں تک کہ کھانا کھانے اور پانی پینے کے بارے میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ نقصان دینے کی مقدار تک

کھانا، پینا حرام ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ اس سے معدہ خراب ہو جائے گا۔

(د) ہر نشہ آور چیز حرام ہے کہ عقل کے لیے نقصان دہ ہے۔

(ه) زہر کھانا حرام ہے کہ جان کے لیے نقصان دہ ہے۔

(و) اسی طرح زہر کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز کہ جان یا عقل کو نقصان پہنچائے، وہ بھی حرام ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: "عن عبادة بن الصامت، «أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قضی

أن لا ضرر ولا ضرار»" ترجمہ: حضرت عباده بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ نہ اپنے آپ کو ضرر پہنچانا ہے اور نہ کسی دوسرے

کو ضرر پہنچانا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ابواب الاحکام، ج 02، ص 169، مطبوعہ کراچی)

بخاری شریف میں ہے: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «كل مسكر حرام»" ترجمہ: اللہ

تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الادب، ج 02، ص 904، مطبوعہ کراچی)

در مختار میں ہے: "سیجیء أن کل مسکر حرام" ترجمہ: عنقریب آئے گا کہ ہر نشہ آور چیز حرام

ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار کتاب العتق، ج 05، ص 405، مطبوعہ کوئٹہ)

فتح القدیر میں ہے: "ملک رفع الضرر عن النفس ولا یملک إثباته شرعا علی نفسه ولذا

ملک التطیب ولم یملک أکل السم وإدخال المؤذی علی البدن" ترجمہ: انسان خود سے تکلیف دور کرنے کا تو مالک ہے، لیکن خود کو تکلیف میں ڈالنے کا مالک نہیں ہے۔ اسی لئے علاج کروانا، دوا استعمال کرنا، جائز ہے لیکن زہر کھانا اور جسم میں نقصان دینے والی چیز کو داخل کرنا، جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر، کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق، ج 03، ص 369، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "أکل الطین مکروہ، ہکذا ذکر فی فتاویٰ أبی اللیث - رحمہ اللہ

تعالیٰ - و ذکر شمس الأئمة الحلوانی إذا کان یخاف علی نفسه أنه لو أکله أوردته ذلک علة أو

آفة لا یباح له التناول، وكذلك هذا فی کل شیء سوی الطین" ترجمہ: مٹی کھانا مکروہ ہے، اسی

طرح فتاویٰ ابولیث میں مذکور ہے۔ اور شمس الأئمة امام حلوانی نے ذکر کیا کہ جب کسی کو اپنے بارے میں خوف ہو

کہ اگر وہ یہ کھائے گا، تو یہ کھانا اس کو بیمار یا آفت زدہ کر دے گا، تو اس کے لئے یہ کھانا، جائز نہیں ہوگا اور مٹی کے

علاوہ ہر چیز میں یہی حکم ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الکراہیۃ الخ، الباب العادی عشنج، ج 05، ص 340، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: "و حرام)۔۔۔ (و هو ما فوقه) أي الشبع وهو أکل طعام غلب علی ظنہ أنه

أفسد معدتہ، و کذا فی الشرب قہستانی" ترجمہ: (کھانا کھانا کبھی) حرام ہوتا ہے اور وہ بھوک سے زیادہ

کھانا ہے یعنی اتنا کھانا کہ ظن غالب ہو کہ یہ معدہ خراب کر دے گا اور پانی پینے کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ قسمستانی میں

ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والاباحہ، ج 9، ص 560، 561، کوئٹہ)

در مختار میں ہے: " (ویحرم أکل البنج والحشیشة) ہی ورق القنب (والافیون) لأنه مفسد

للعقل ویصد عن ذکر اللہ وعن الصلاة" ترجمہ: (بھنگ، حشیش) یعنی پٹ سن کے پتے (اور افیون) کا کھانا

حرام ہے) کیونکہ یہ چیزیں عقل کو فاسد کرنے یعنی بگاڑنے والی ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتی ہیں۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الاشریہ، ج 10، ص 46 تا 48، کوئٹہ)

ردالمختار میں ہے: "فی غایۃ البیان عن شرح شیخ الإسلام: أكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوي، وما زاد على ذلك إذا كان يقتل أو يذهب العقل حرام اھ فہذا صریح فیما قلناہ مؤید لما سبق بحثناہ من تخصیص ما مر من أن ما أسکر کثیرہ حرم قلیلہ بالمائعات، وھكذا یقال فی غیرہ من الأشياء الجامدة المضرة فی العقل أو غیرہ، یحرم تناول القدر المضر منھا دون القلیل النافع، لأن حرمتھا لیست لعینھا بل لضررھا" ترجمہ: غایۃ البیان میں شرح شیخ الإسلام کے حوالے سے ہے کہ بغرض علاج سقمونیا اور بھنگ کو قلیل مقدار میں کھانا مباح ہے اور اتنا زیادہ کھانا کہ انسان مر جائے یا اس کی عقل چلی جائے، یہ حرام ہے۔ یہ اس بارے میں صریح ہے جو ہم نے کہا اور یہ تائید کرنے والا ہے ہماری گزشتہ بحث کی کہ یہ روایت: "جس کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے،" مانع چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ ایسی ٹھوس چیزیں جو عقل و غیرہ میں نقصان کریں، ان کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ ان اشیا میں سے بقدر نقصان کھانا حرام ہے، نفع دینے والی تھوڑی مقدار حلال ہے کیونکہ ان کی حرمت ان کے عین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے نقصان کی وجہ سے ہے۔

(ردالمختار مع الدرالمختار، کتاب الاشریہ، ج 10، ص 46، 47، کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ماورائے دماء و فروج و مضار و خبائث تمام اشیا میں اصل اباحت ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج 05، ص 522، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "گل خوردنی خالص سوندھی مٹی خوشبو خوش ذائقہ جسے طین خراسانی کہتے ہیں۔"

بعض حاملہ عورتیں اور پست طبیعت لوگ اسے کھاتے ہیں۔ طباً مضر اور شرعاً حرام ہے"

(فتاویٰ رضویہ، ج 03، ص 643، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(۲) خبیث اشیا یعنی جن سے سلیم طبیعتیں گھبن کھائیں وہ بھی حرام ہیں۔ اور خبیث چیزوں میں درج ذیل

اشیا شامل ہیں:

(الف) سوائے ٹڈی کے تمام حشرات الارض بھی شامل ہیں اور حشرات الارض میں: چوہا، گرگٹ

، چھپکلی، سیبہ، سانپ، مینڈک، مچھر، بھڑ، پوسو، جوں، چیچڑی، مکھی، کچھوا، وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) اور پنجنوں سے شکار کرنے والے پرندے بھی شامل ہیں اور پنجنوں سے شکار کرنے والوں میں:

چیل، کوا، باز، شاہین، گدھ وغیرہ شامل ہیں۔

(ج) اور کیلے سے شکار کرنے والے درندے بھی شامل ہیں۔ اور کیلے سے شکار کرنے والے درندوں

میں: شیر، چیتا، بھیریا، ہاتھی، کتا، بلی، بندر، تیندوا وغیرہ شامل ہیں۔

(د) اور پانی کے جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے تمام ہی خبیث ہیں۔

(ہ) اسی طرح حلال جانوروں میں ان کے اعضاء میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں، جو خبیث ہیں:

مثلاً آنتیں، غدود، اگلی و پچھلی شرمگاہ، مثانہ وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

در مختار میں ہے: "والخبیث ما تستخبثه الطباع السلیمة" ترجمہ: اور خبیث وہ ہے جسے سلیم

طبیعتیں خبیث سمجھیں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "قال فی معراج الدرایة: أجمع العلماء علی أن المستخبثات

حرام بالنص وهو قوله تعالیٰ: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾" ترجمہ: معراج الدرایہ میں فرمایا: علماء کا اس

بات پر اجماع ہے کہ خبیث سمجھی جانے والی اشیاء، نص کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ نص اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان

ہے: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، ج 09، ص 509-510، کوئٹہ)

تحفة الملوک میں ہے: "ویحرم الضب والقنفذ والسلحفاة والزنبور والحشرات کلها إلا

الجراد ولو مات حتف أنفه" ترجمہ: اور گویہ، کچھوا، بھڑ اور تمام حشرات الارض، حرام ہیں سوائے ٹڈی

کے، خواہ وہ اپنی موت آپ مری ہو۔

(مصحح السلوک فی شرح تحفة الملوک، کتاب الصيد والذبائح، ص 386، دارالنور، الكويت)

مبسوط سرخسی میں ہے: "والمستوحش نوعان: منها صید البحر لا یحل تناول شیء منها

سوی السمک، ومنها صید البر، ویحل تناولها إلا ما له ناب أو مخلب «لنهی النبی - صلی

الله علیہ وسلم - عن أكل كل ذي ناب من السباع، وکل ذي مخلب من الطیر» ولمعنی

الخبث فیہما، فإن من طبعهما الاختطاف والانتھاب، فلا بد من ظهور أثر ذلك فی خلق

المتناول للغذاء من الأثرفي ذلك۔۔۔ والمستخبث حرام بالنص لقوله تعالى: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾ ولهذا حرم تناول الحشرات، فإنها مستخبثة طبعاً، وإنما أبيح لنا أكل الطيبات قال الله تعالى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ} [البقرة: 172] "ترجمہ: اور وحشی جانوروں کی دو قسمیں ہیں: ایک سمندری شکار، یہ سب حرام ہیں سوائے مچھلی کے۔ اور دوسری خشکی کا شکار۔ اور یہ سب حلال ہیں، سوائے اس کے جس کے نوکیلے دانت ہوں یا پنچے ہوں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دانت والے درندے اور ہر پنچے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ ان میں خبثت والا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی طبیعت میں سے اچکنا اور جھپٹنا ہے، پس ان کو کھانے والے کے اخلاقیات میں اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔۔۔ اور خبیث سمجھی جانے والی اشیاء نص کی وجہ سے حرام ہیں اور نص رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا" اور اسی وجہ سے حشرات الارض کا کھانا حرام ہے کیونکہ طبیعت ان کو خبیث سمجھتی ہے۔ اور ہمارے لیے تو صرف پاکیزہ چیزیں ہی حلال کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں۔"

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصيد، ج 11، ص 240، کوئٹہ)

فتح القدر میں ہے: "والظاهر أن الحشرات كلها من الخبائث" ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ تمام

حشرات الارض، خبیث چیزوں میں سے ہیں۔ (فتح القدر، کتاب الذبائح، ج 09، ص 513، کوئٹہ)

مجمع الانهر میں ہے: "(والحشرات) الصغار من الدواب جمع الحشرة كالفأرة والوزغة وسام

أبرص والقنفذ والحية والضفدع والبرغوث والقمل والذباب والبعوض والقراد لأنها من

الخبائث وقد قال الله تعالى ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾ "ترجمہ: اور حشرات بھی حرام ہیں۔ حشرات،

حشرۃ کی جمع ہے، یہ چھوٹے جانور ہیں جیسے چوہا، گرگٹ، چھپکلی، سیبہ، سانپ، مینڈک، پسو، جوں، مکھی، مچھر اور

چیچڑی۔ ان کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "اور

گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔" (مجمع الانهن کتاب الذبائح، ج 04، ص 161، کوئٹہ)

النتف في الفتاوى میں ہے: "واما حشرات الارض۔۔۔۔۔ مثل الحية والضب واليربوع

والقنفذ والسلحفاة والفارة۔۔۔۔۔ واشباهها" ترجمہ: اور حشرات الارض کی مثالوں میں سانپ، گوہ،

یربوع (چوہے کی مانند ایک جانور)، سیبہ، کچھوا، چوہا اور اس جیسے جانور ہیں۔

(النتف فی الفتاویٰ، کتاب الذبائح والصيد، ص 150، مطبوعہ کراچی)

ہدایہ میں ہے: "والسلحفاة من خبائث الحشرات" ترجمہ: اور کچھوا، خبیث حشرات میں سے ہے

- (الهدایہ، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل اکلہ وما لا یحل، ج 04، ص 440، مطبوعہ لاہور)

تحفة الفقہاء میں ہے: "فذو الناب من السباع الأسد والذئب والنمر والفهد والشعلب والضبع والکلب والسنور البری والأهلی وکذلک الفیل۔۔ ونحوها واذو المخلب من الطیور

الصقر والبازی والنسر والعقاب والشاہین ونحوها" ترجمہ: پس کیلے والے درندے: شیر، بھیڑیا، چیتا، تیندوا، لومڑی، بچو، کتا، جنگلی اور گھریلو بلی، اور اسی طرح ہاتھی وغیرہ ہیں اور پنچے والے پرندوں میں سے شکر،

باز، گدھ، عقاب، شاہین وغیرہ ہیں۔ (تحفة الفقہاء، کتاب الذبائح، ص 416، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں کیلے والے جانور شمار کرتے ہوئے فرمایا: "مثل الأسد والذئب والضبع والنمر

والفهد والشعلب۔۔۔ والدب والقرد ونحوها" ترجمہ: جیسے شیر، بھیڑیا، بچو، چیتا، تیندوا، لومڑی، ریچھ

اور بندر وغیرہ۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج 05، ص 289، کوئٹہ)

جوہرہ میں ہے: "وذو المخلب من الطیر الصقر، والبازی، والنسر، والعقاب، والرخم،

والغراب الأسود، والحدأة، والشاہین وکل ما یصطاد بمخلبه" ترجمہ: اور پنچے والے پرندے:

شکر، باز، گدھ، عقاب، گدھ، سیاہ کوا، چیل، شاہین اور ہر وہ پرندہ ہے جو اپنے پنچے سے شکار کرتا ہے۔

(الجوہرہ، کتاب الذبائح والصيد، مطلب فیما یحل اکلہ وما لا یحل، ج 02، ص 443، مطبوعہ لاہور)

مجمع الانہر میں ہے: "وما سوی السمک خبیث" ترجمہ: (اور سمندر کے جانوروں میں) مچھلی کے

سوا تمام ہی خبیث ہیں۔ (مجمع الانہر، کتاب الذبائح، ج 04، ص 163، مطبوعہ کوئٹہ)

بدائع الصنائع میں حلال جانور کے اعضاء ممنوعہ شمار کرتے ہوئے فرمایا: "الدم المسفوح، والذکر

والأنثیان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة لقوله عز شأنه ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

الْخَبِيثَاتِ﴾" ترجمہ: بہتا خون، آلہ تناسل، خصیتیں، اگلی شرمگاہ، غدود، مثانہ، پتا، اللہ عزوجل کے اس فرمان کی وجہ

سے: "اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔"

(بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصدود، ج 04، ص 190، کوئٹہ)

(7) قاعدہ:

## "استصحاب"

استصحاب کے لغوی معنی ہیں: لازم ہونا، جدانہ ہونا۔

استصحاب کی دو قسمیں ہیں: (1) ایک یہ کہ "کوئی چیز زمانہ ماضی میں جس حالت و صفت پر تھی، اسی پر قیاس کرتے ہوئے، حال و استقبال میں بھی اس پر، اسی حالت و صفت کے باقی رہنے کا حکم لگایا جائے، جب تک اس کے خلاف دلیل نہیں آتی۔"

(2) دوسری یہ کہ کوئی چیز فی الحال جس حالت پر ہے، اسی حالت پر قیاس کرتے ہوئے، زمانہ ماضی میں بھی اس پر، اسی حالت و صفت کے موجود ہونے کا حکم لگایا جائے، جب تک اس کے خلاف دلیل نہیں آجاتی۔" اسے استصحاب معکوس کہا جاتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "الاستصحاب یكون من الماضي للحال ومن الحال إلى الماضي" ترجمہ: استصحاب، ماضی سے حال کے لیے ہوگا اور حال سے ماضی کی طرف ہوگا۔

(فتح القدیر، کتاب ادب القاضی، ج 07، ص 317، کوئٹہ)

شرح المجلۃ میں ہے: "ماخوذ من الاستصحاب اللغوی وهو الملازمة وعدم المفارقة۔۔۔ فاقول: الاستصحاب یكون علی هذا نوعین: الاول: ان الشئی اذا كان علی حال فی الزمان الماضي فهو علی حاله فی المستقبل مالم یوجد ما یغیره۔۔۔ الثانی: ان الشئی الذی علی حالته الحاضرة یحکم انه كان علیها فی الزمان الماضي مالم یوجد دلیل یغیرها ویسمى الاستصحاب المعکوس" ترجمہ: یہ لغوی استصحاب سے لیا گیا ہے، جس کا معنی: لازم ہونا اور جدانہ ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں: استصحاب کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی: کوئی چیز زمانہ ماضی میں جس حالت پر تھی تو وہ زمانہ مستقبل میں بھی اسی حالت پر شمار ہوگی، جب تک اس میں تبدیلی کی دلیل نہ پائی جائے۔ دوسری: ایک چیز کی جو موجودہ حالت ہے، اس کے متعلق حکم کیا جائے گا کہ وہ زمانہ ماضی میں بھی اسی حالت پر تھی، جب تک اس میں تبدیلی کی دلیل نہ پائی جائے اور اس کو استصحاب معکوس کہتے ہیں۔ (شرح المجلۃ، جلد 01، صفحہ 20، مطبوعہ کوئٹہ)

## قاعدہ استصحاب پر درج ذیل مسائل متفرع ہیں:

(الف) کسی ذمی کافر کا انتقال ہو گیا، اس کی بیوی کہتی ہے کہ میں اس کی موت کے بعد اسلام لائی ہوں (مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی موت کے وقت وہ بھی کافرہ تھی، لہذا دونوں کا دین ایک ہی تھا، تو وہ وراثت کی حقدار ہے۔) جبکہ وراثت کا کہنا ہے کہ تو اس کی موت سے پہلے اسلام لے آئی تھی (لہذا موت کے وقت تم دونوں کا دین ایک نہیں تھا، پس تو وراثت کی حقدار نہیں ہے۔) تو اس صورت میں وراثت کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ فی الحال وہ مسلمان ہے۔ تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے زمانہ ماضی میں بھی اس کے لیے اسلام ثابت کیا جائے گا، جب تک اس کے خلاف دلیل نہیں ملتی۔

اسے استصحاب حال کہتے ہیں۔ اور یہ استصحاب کی دوسری قسم ہے، جسے استصحاب معکوس کہا جاتا ہے۔

(ب) پن چکی کرایہ پر دی، مستاجر (کرائے پر لینے والا) کہتا ہے: نہر میں پانی تھا ہی نہیں، اس وجہ سے پن چکی چل نہ سکی۔ لہذا کرایہ دینا مجھ پر لازم نہیں اور چکی کا مالک کہتا ہے: پانی تھا۔ لہذا کرایہ لازم ہوگا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر گواہ نہ ہوں تو اس وقت جو حالت ہو اسی کے موافق زمانہ گزشتہ کے متعلق حکم دیا جائے گا۔ اگر پانی اس وقت ہے تو مالک کی بات مانی جائے گی اور نہیں ہے، تو مستاجر کی بات معتبر ہے اور جس کی بات بھی معتبر ہوگی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

اسے استصحاب حال کہتے ہیں۔ اور یہ استصحاب کی دوسری قسم ہے، جسے استصحاب معکوس کہا جاتا ہے۔

در مختار میں ہے: "مات ذمی فقالت عرسہ أسلمت بعد موتہ وقالت ورثتہ قبلہ صدقوا) تحکیمًا للحال (كما) یحکم الحال (فی مسألة) جریان (ماء الطاحونة) ثم الحال إنما تصلح حجة للدفع لا للاستحقاق." ترجمہ: کوئی ذمی کافر فوت ہو گیا، تو اس کی بیوی نے کہا: میں اس کی وفات کے بعد مسلمان ہوئی ہوں۔ اور وراثت کہتے ہیں: وفات سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی، تو اس کی موجودہ حالت کے مطابق حکم لگاتے ہوئے، وراثت کی بات معتبر ہوگی جیسا کہ موجودہ حالت پر قیاس کرتے ہوئے پن چکی کا پانی چلنے والے مسئلے میں حکم دیا جاتا ہے، پھر استصحاب حال صرف دعویٰ ختم کرنے کی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ کہ حق ثابت کرنے کی۔ (الدر المختار مع رد المحتار، ج 08، ص 184، کوئٹہ)



بنایہ میں ہے: "إذامات النصراني فجاءت امرأته مسلمة وقالت أسلمت بعد موته وقالت الورثة أسلمت قبل موته فالقول للورثة. وقال زفر: القول قولها۔۔۔ ولنا أن سبب الحرمان ثابت في الحال لا اختلاف الدينين، وكل ما هو ثابت في الحال يكون ثابتاً فيما مضى. تحكيما للحال: أي باستصحاب الحال كما في جريان ماء الطاحونة إذا اختلف فيه المتعاقدان بعد مضى مدة فإنه يحكم في الحال، فإن كان الماء جارياً في الحال كان القول لآجر وهو صاحب الطاحونة" ترجمہ: جب کسی عیسائی کے مرنے کے بعد اس کی مسلمان بیوی آکر کہتی ہے: "میں اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہوں" اور ورثاء کہتے ہیں: "نہیں بلکہ تو اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی۔" تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ اور امام زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ترکے سے محرومی کا سبب اختلاف دین کی وجہ سے فی الحال ثابت ہے اور ہر وہ چیز جو فی الحال ثابت ہے، وہ زمانہ ماضی میں بھی ثابت ہوتی ہے، زمانہ حال کے مطابق حکم لگاتے ہوئے، یعنی استصحاب حال کی رعایت کرتے ہوئے، جیسا کہ پن چکی کا پانی چلنے والے مسئلے میں، جب ایک مدت گزرنے کے بعد عاقدین میں اختلاف ہو، تو موجودہ حالت کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔ پس اگر پانی فی الحال جاری ہو تو آجر (اجرت پر دینے والے) کا قول معتبر ہے اور وہ چکی کا مالک ہے۔

(البنایہ شرح الہدایۃ، کتاب ادب القاضی، فصل فی القضاء بالمواریث، ج 08، ص 91، کوئٹہ)

(ج) مفقود الخبر، جو لاپتہ ہو گیا اور اس کی زندگی موت کے متعلق کوئی خبر نہ رہی، تو اسے اس کے حقوق کے متعلق زندہ ہی شمار کیا جائے گا، کیونکہ جب وہ غائب ہو تو اس وقت اس کا زندہ ہونا ثابت تھا، تو وہی حکم باقی رہے گا، جب تک کہ اس کے واقعتاً مرنے پر دلیل نہ قائم ہو جائے یا شرعی اعتبار سے اس کی موت کا حکم نہ کر دیا جائے۔ لہذا اس وقت تک:

(۱) اس کے ورثاء اس کے مال کو آپس میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

(۲) اس نے کسی کے پاس امانت رکھی تھی تو اس امانت سے امانت کو کوئی واپس نہیں لے سکتا۔

(۳) اور اس کی بیوی کسی اور سے اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔

ان تمام صورتوں میں استصحاب حال کی پہلی قسم کو دلیل بنایا جاتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں جو حکم

ثابت تھا (اور وہ ہے، مفقود کا زندہ ہونا) وہی زمانہ حال میں بھی ثابت کیا جائے گا، جب تک کہ اس کے خلاف دلیل نہیں پائی جاتی۔

شرح المجلد میں ہے: "من فروع النوع الاول مسئله المفقود الذی انقطع خبره ولم يعلم موته ولا حیاته وذلك لانه حين تغيبه كانت حیاته محققة فمالم یوجد دلیل علی موته حقیقة اویحکم بموته بعد اكمال تسعین من عمره اولموت اقرانه لیس لورثته اقتسام ماله ولا توخذ ودیعتہ من مودعه ولا تتزوج امراته" ترجمہ: نوع اول کی فروع میں سے مفقود کا مسئلہ بھی ہے۔ وہ مفقود جس کی کوئی خبر نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جب وہ غائب ہو تو اس وقت اس کا زندہ ہونا ثابت تھا۔ پس جب تک اس کی حقیقتاً موت پر کوئی دلیل نہ پائی جائے یا اس کی عمر کے نوے سال پورے ہونے یا اس کے ہم عصروں کے فوت ہونے پر اس کی موت کا حکم نہ کر دیا جائے، اس وقت تک وارثوں کو اجازت نہیں کہ اس کا مال تقسیم کریں اور نہ ہی اس کی ودیعت (امانت) اس کے مودع (جس کے پاس امانت رکھوائی گئی تھی، اس) سے واپس لی جائے گی اور نہ ہی اس کی بیوی آگے نکاح کرے گی۔

(شرح المجلد، ج 01، ص 20، 21، مطبوعہ کوئٹہ)

### نوٹ:

#### استصحاب کے حجت بننے کا موقع و محل:

یہ یاد رہے کہ استصحاب غیر ثابت شدہ چیز کو ثابت کرنے کے لیے حجت و دلیل نہیں بن سکتا، ہاں جو کسی غیر ثابت شدہ کو ثابت کرنا چاہے تو اس کی نفی کے لیے حجت و دلیل بن سکتا ہے، اسی طرح جو حالت و صفت پہلے یقینی طور پر ثابت تھی، اس کو باقی رکھنے کے لیے بھی حجت و دلیل بن سکتا ہے۔

(الف) یہی وجہ ہے کہ مفقود الحال، یعنی جو شخص لاپتہ ہو گیا، اس کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی اور اس کے مال میں وارثوں کا حق وراثت ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے مال اور اس کی بیوی میں اس کا حق پہلے یقینی طور پر ثابت تھا، تو استصحاب اس ثابت شدہ کو باقی رکھنے کے لیے دلیل بن جائے گا لیکن اس کے لاپتہ ہونے کے بعد کوئی اس کا رشتہ دار فوت ہوا کہ جس کی وراثت کا یہ حقدار ہو سکتا ہے، تو اس کے مال میں اسے حق وراثت نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں غیر ثابت شدہ چیز کو استصحاب سے ثابت کرنا پایا جائے گا حالانکہ

استصحاب غیر ثابت شدہ چیز کو ثابت نہیں کر سکتا۔

اسی کو یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ اس کے مال میں وارثوں کے حق کی نفی کرنے کے لیے استصحاب کو دلیل بنایا جائے گا یعنی وہ جس وقت لاپتہ ہوا تھا، اس وقت زندہ تھا تو بعد کے زمانے میں بھی اس کی زندگی کو قائم مانا جائے گا، جب تک اس کے خلاف دلیل نہیں آجاتی، لہذا اس کے ورثاء کو اس کے مال میں وراثت نہیں دی جائے گی، لیکن دوسروں کے مال میں اس کا حق وراثت ثابت کرنے کے لیے استصحاب دلیل نہیں بنے گا یعنی اس کی گمشدگی کی حالت میں کوئی فوت ہو گیا تو اس کے لاپتہ ہونے کے وقت کی حالت یعنی زندگی کو دلیل بنا کر اسے اس وقت زندہ نہیں مانا جائے گا، کیونکہ اس طرح استصحاب اس کا حق ثابت کرنے کی دلیل بن جائے گا حالانکہ یہ درست نہیں لہذا اس معاملے میں اسے مردہ ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی زندگی ثابت نہیں ہو جاتی۔

بدائع الصنائع میں ہے: "وأما حال المفقود: فعبارة مشايخنا - رحمهم الله - عن حاله أنه حي في حق نفسه ميت في حق غيره، والشخص الواحد لا يكون حيا وميتا حقيقة لما فيه من الاستحالة ولكن معنى هذه العبارة أنه (تجري) عليه أحكام (الأحياء) فيما كان له فلا يرث ماله ولا تبين امرأته كأنه حي حقيقة (وتجري) عليه أحكام الأموات فيما لم يكن له فلا يرث أحدا كأنه ميت حقيقة؛ لأن الثابت باستصحاب الحال يصلح لإبقاء ما كان على ما كان ولا يصلح لإثبات ما لم يكن وملكه في أحكام أمواله ونسائه أمر قد كان واستصحابنا حال الحياة لإبقائه وأما ملكه في مال غيره: فأمر لم يكن فتقع الحاجة إلى الإثبات واستصحاب الحال لا يصلح حجة لإثبات ما لم يكن" ترجمہ: اور رہی مفقود الخیر کی حالت تو ہمارے مشائخ کی عبارات اس کی حالت کے متعلق یہ ہیں کہ "وہ اپنے حق میں زندہ ہے اور غیر کے حق میں مردہ ہے" اور ایک ہی شخص حقیقی طور پر زندہ بھی ہو اور مردہ بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا، کہ یہ محال ہے، لیکن اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اس کے اپنے معاملات میں زندوں والے احکام جاری ہوں گے۔ پس اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کی بیوی بائینہ ہوگی کیونکہ وہ حقیقتاً زندہ ہے اور جو اس کا حق نہیں ہے، اس معاملے میں اس پر مردوں والے احکام جاری ہوں گے۔ پس وہ کسی کا بھی وارث نہیں بنے گا، گویا کہ وہ حقیقتاً مردہ ہے۔ کیونکہ استصحاب حال، جو چیز جس حال پر تھی اسے اس پر باقی رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو چیز موجود نہیں، اس کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور

اس کے اموال اور اس کی عورتوں کے احکام میں اس کی ملکیت پہلے ثابت تھی، تو ہم نے استصحاب حال کی وجہ سے ان چیزوں کا وہی حکم لگایا جو اس کی زندگی کی حالت میں ہوتا ہے اور جہاں تک معاملہ دوسرے کے مال میں اس کی ملکیت کا ہے، تو یہ ایسا معاملہ ہے جو پہلے ثابت نہیں تھا، تو اسے ثابت کرنے کی حاجت ہوئی اور استصحاب حال، اس چیز کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بنتا، جو پہلے ثابت نہیں تھی۔ (بدائع الصنائع، کتاب المفقود، ج 5، ص 287، کوئٹہ) ہدایہ میں ہے: "(ومن مات قبل ذلک لم يرث منه) لأنه لم يحکم بموته فيہا فصار كما إذا كانت حياته معلومة (ولا يرث المفقود أحد مات في حال فقدہ) لأن بقاءه حيا في ذلک الوقت باستصحاب الحال وهو لا يصلح حجة في الاستحقاق" ترجمہ: اور جو کوئی مفقود کی موت کا حکم ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اس کا وارث نہیں بنے گا کیونکہ اس کی موت کا حکم نہیں لگایا گیا پس وہ ایسے ہو گیا جیسے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو اور مفقود بھی کسی ایسے کا وارث نہیں ہوگا، جو اس کی گمشدگی کی حالت میں فوت ہو گیا کیونکہ اس وقت میں اس کی زندگی کا باقی ہونا، استصحاب حال کے سبب تھا اور استصحاب حال حقدار ہونے کی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

فتح القدير میں ہے: "(قوله ومن مات منهم) أي ممن يرث المفقود (قبل ذلک) أي قبل أن يحکم بموت المفقود (لم يرث من المفقود) ---- (لأنه لم يحکم بموت المفقود بعد) وحين مات هذا كان المفقود محکوما بحياته كما إذا كانت حياته معلومة (ولا يرث المفقود أحد مات في حال فقدہ لأن بقاءه حيا في ذلک الوقت) يعني وقت موت ذلک الأحد (باستصحاب الحال وهو لا يصلح حجة في الاستحقاق) بل في دفع الاستحقاق عليه ولذا جعلناه حيا في حق نفسه فلا يرث ماله في حال فقدہ ميتا في حق غيره فلا يرث هو غيره" ترجمہ: مصنف کا قول: اور جو لوگ لاپتہ شخص کے وارث بن سکتے ہیں، لاپتہ شخص کی موت کا حکم دیے جانے سے پہلے ان میں سے کوئی فوت ہو گیا تو وہ لاپتہ شخص کا وارث نہیں بنے گا کیونکہ لاپتہ شخص کی موت کا بھی حکم نہیں لگایا گیا تو جب یہ فوت ہوا تو اس وقت تک لاپتہ شخص کی زندگی کا حکم لگایا گیا تھا جیسا کہ اس وقت اس کی زندگی کا حکم تھا، جب اس کی زندگی معلوم تھی اور لاپتہ شخص ان میں سے کسی کا بھی وارث نہیں بنے گا، جو اس کی گمشدگی کی حالت میں فوت ہوئے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی کی موت کے وقت، لاپتہ شخص کے زندہ ہونے کا حکم، استصحاب حال کی وجہ سے تھا

اور استصحاب حال، حق ثابت کرنے کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ حق کی نفی کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اسی وجہ سے ہم نے اسے، اس کے حق میں زندہ شمار کیا ہے، پس اس کی گمشدگی کی حالت میں اس کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جائے گا اور اس کے غیر کے حق میں مردہ شمار کیا ہے، پس وہ کسی دوسرے کا وارث نہیں بنے گا۔ (فتح القدیر مع الہدایۃ، کتاب المفقود، ج 06، ص 139، 140، کوئٹہ)

(ب) اسی طرح کسی مسلمان کی بیوی ذمیہ تھی۔ مسلمان کی وفات کے بعد وہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں شوہر کی حیات میں ہی اسلام لے آئی تھی۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمان شوہر کی وراثت میں سے حصہ دیا جائے) اور وراثہ کہتے ہیں کہ تو اس کے مرنے کے بعد اسلام لائی، تو اس صورت میں وراثہ کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہاں استصحاب کی بنا پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ فی الحال مسلمان ہے، تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے اسے زمانہ ماضی میں بھی مسلمان تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو استصحاب، استحقاق کی دلیل بن جائے گا، حالانکہ استصحاب کمزور دلیل ہے، جو استحقاق کی نفی کے لیے تو دلیل بنتا ہے لیکن استحقاق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بنتا، اسی لیے یہاں وراثہ کی بات کو قبول کیا گیا۔

در مختار میں ہے: "ثم الحال إنما تصلح حجة للدفع لا للاستحقاق. (کما فی) (مسلم مات فقالت عرسه) الذمیة (أسلمت قبل موته) فأرثه (وقالوا بعده) فالقول لهم "ترجمہ: پھر استصحاب حال، حق کی نفی کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن حق ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا جیسے اس مسئلے میں کہ مسلمان فوت ہو گیا تو اس کی ذمیہ بیوی نے کہا: "میں اس کی موت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئی تھی لہذا میں وارث ہوں۔" اور وراثہ کہتے ہیں کہ "بعد میں مسلمان ہوئی تھی۔" تو وراثہ کا قول معتبر ہے۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: " (قوله كما في مسلم الخ) تمثیل للمنفی وهو الاستحقاق. وحاصله إنما كان القول لهم هنا أيضا ماسیاتی، ولا يمكن أن يكون لها بناء على تحکیم الحال، لأنه لا يصلح حجة للاستحقاق وهي محتاجة إليه. "ترجمہ: مصنف کا قول: جیسا کہ مسلمان کے فوت ہونے والے مسئلے میں الخ۔ جس کی نفی کی گئی، یہ اس کی مثال ہے اور وہ حقدار بننا ہے۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں بھی وراثہ کا قول معتبر ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ابھی آئے گی۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ استصحاب حال پر











البيع، والشراء، والإجارة، والاستئجار، والصلح عن مال، والقسمة، والخصومة) أي جواب الدعوى سواء كان إقراراً أو إنكاراً وهي ملحقه بالبيع على المختار (وضرب الولد) حتى لو حلف لا يبيع، ثم وكل غيره فباع لا يحنت وكذا الحكم في الشراء وغيره؛ لأن العقود وجدت من العاقد حتى كانت الحقوق عليه ولهذا لو كان العاقد هو الحالف يحنت في يمينه فلم يوجد ما هو الشرط، وهو العقد من الأمر وإنما الثابت له حكم العقد إلا أن ينوي غير ذلك وقيدنا إذا كان ممن يباشر بنفسه؛ لأن الحالف إذا كان ذا سلطان كالأمير، والقاضي ونحوهما لا يباشر بنفسه حنت بالأمر أيضاً كما يحنت بالمباشرة بنفسه؛ لأنه يمنع نفسه عما يعتاده وإن كان يباشر مرة ويفوض أخرى اعتبر الغالب "ترجمه: خود کام کرنے سے قسم ٹوٹے گی، دوسرے کو وکیل بنانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی، جبکہ وہ ایسے لوگوں میں سے ہو، جو خود کام کرتے ہیں۔ وہ کام جن میں خود کرنے سے قسم ٹوٹے گی، وہ یہ ہیں: بیچنا، خریدنا، کرائے پر دینا، کرائے پر لینا، مال سے صلح کرنا، تقسیم کاری کرنا، قاضی کے سامنے جھگڑا کرنا یعنی دعوے کا جواب دینا، برابر ہے کہ وہ کسی چیز کا اقرار ہو یا انکار اور مختار قول پر یہ بیع کے ساتھ لاحق ہے، اور بچے کو مارنا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ بیع نہیں کرے گا پھر کسی دوسرے کو وکیل بنایا، اس نے بیچا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور اسی طرح خریداری وغیرہ کا حکم ہے، کیونکہ یہ عقود، عاقد کی طرف سے پائے گئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے حقوق بھی اسی کے ذمے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر عاقد ہی حلف اٹھانے والا ہو، تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لہذا ان صورتوں میں جب حلف اٹھانے والے نے عقد نہیں کیا تو جو شرط تھی وہ نہیں پائی گئی اور شرط یہ تھی کہ جو حکم دے رہا ہے، وہ خود عقد کرے جبکہ یہاں اس کے لیے صرف عقد کا حکم ثابت ہو رہا ہے، (اس کی طرف سے عقد کرنا نہیں پایا جا رہا) ہاں اگر وہ قسم اٹھاتے وقت یہ نیت کرے کہ دوسرے سے کام نہیں کروائے گا تو اس صورت میں دوسرے سے کام کروانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور ہم نے یہ قید لگائی ہے کہ جب حلف اٹھانے والا، ان لوگوں میں سے ہو، جو خود یہ کام کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حلف اٹھانے والا اگر سلطنت والا ہے، جیسے امیر اور قاضی وغیرہ، جو خود یہ کام نہیں کرتے، تو دوسرے سے یہ کام کروانے سے بھی ان کی قسم ٹوٹ جائے گی، جیسا کہ خود کرنے سے ٹوٹ جائے گی، کیونکہ حلف اٹھانے والا، حلف

کے ذریعے اپنے آپ کو اس کام سے روکتا ہے، جس کو وہ عادتاً کرتا ہے اور اگر قسم اٹھانے والا ایسا ہے کہ کبھی یہ کام خود کرتا ہے اور کبھی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے، تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ (مجمع الانہج ج 02، ص 314، کوئٹہ)

(د) اگر قسم کھائی کہ اس گندم سے نہیں کھاؤں گا، تو اس کی حقیقت گندم کے دانے کھانا ہے اور یہ ممکن بھی ہے، لہذا گندم کے دانے کھائے گا تو قسم ٹوٹے گی اور اگر گندم سے بنی ہوئی روٹی کھائے گا، تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

محیط برہانی میں ہے: "وإذا حلف أن لا يأكل من هذه الحنطة وهو ينوي أن لا يأكلها حبة حبة صحت نيته حتى لو أكل من خبزها لا يحنث في يمينه، لأنه نوى حقيقة كلامه والعمل بالحقيقة ممكن لأن الحنطة مأكول عينها فتقيد اليمين بالحقيقة، وإن نوى أن لا يأكل مما يتخذ منها صحت نيته أيضا حتى لا يحنث بأكل عينها، وإن لم تكن له نية فأكل من خبزها لم يحنث عند أبي حنيفة رحمه الله وعندهما يحنث، ولو أكل عينها يحنث عند أبي حنيفة رحمه الله" ترجمہ: اور جب کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ اس گندم سے نہیں کھائے گا اور اس کی نیت یہ ہے کہ وہ گندم کے دانے نہیں کھائے گا، تو اس کی نیت صحیح ہے، یہاں تک کہ اگر اس گندم کی روٹی کھائی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ اس نے اپنے کلام سے حقیقت کی نیت کی ہے اور حقیقت پر عمل کرنا، ممکن بھی ہے کیونکہ گندم بعینہ بھی کھائی جاتی ہے، تو قسم حقیقت کے ساتھ مقید ہوگی اور اگر اس کی یہ نیت ہو کہ: اس گندم سے بنی چیز نہیں کھاؤں گا" تو بھی اس کی نیت درست ہوگی، یہاں تک کہ اگر اس نے بعینہ گندم ہی کھائی تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور اگر کوئی نیت نہیں تھی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس گندم کی روٹی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور صاحبین کے نزدیک ٹوٹ جائے گی اور اگر بعینہ گندم کھائی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قسم ٹوٹ جائے گی۔ (المحیط البرہانی، کتاب الایمان، الفصل الثانی عشر فی الحلف علی الافعال، ج 04، ص 511، کوئٹہ)

والله اعلم عز وجل ورسوله اعلم صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

کتبہ

المتخصص في الفقه الاسلامي

محمد عرفان مدنی

21 ذوالقعدة الحرام 1441ھ / 13 جولائی 2020ء

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ أَنَا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## حدیث پاک

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فَقِيهٌ  
أَشَدُّ عَلَيَّ الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ"  
ترجمہ: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے  
زیادہ بھاری ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب العلم، جلد 6،  
صفحہ 554، مطبوعہ لاہور)



فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی

UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278

www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net

feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net